IslamHouse.com

حج میں بکثرت پوچھے جانے والے مسائل

تالیف: فضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن صالح الفوزان۔ حفظہ اللہ۔

ترجمہ: شفیق الرحمن ضیاء اللہ مدنی

مراجعہ: جمشید عالم عبد السلام سلفی

ناشر: دفتر تعاون برائے دعوت وارشاد وتوعیۃ الجالیات، ربوہ، ریاض

مملکتِ سعودی عرب

مسائل يكثر السؤال عنها في الحج

(باللغة الأردية)

تأليف: فضيلة الشيخ/ عبد الله بن صالح الفوزان –حفظه الله–

ترجمة: شفيق الرحمن ضياء الله المدني

مراجعة: جمشيدعالم عبد السلام السلفي

الناشر:

المكتب التعاوني للدعوة وتوعية الجاليات بالربوة
هاتف: ٩٦٦١١٤٤٥٤٩٠٠+ فاكس: ٩٦٦١١٤٩٧٠١٢٦+ ص ب: ٢٩٤٦٥ الرياض: ١١٤٥٧
ISLAMIC PROPAGATION OFFICE IN RABWAH
P.O.BOX 29465 RIYADH 11457 TEL: +966 11 4454900 FAX: +966 11 4970126
OFFICERABWAH

فہرست موضوعات

عرضِ مترجم.. 7

مقدّمہ 10

آٹھ وصیتیں: 13

پہلی وصیّت: اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کو خالص کرنا.......................... 13

دوسری وصیّت: حج کے طریقہ کی معرفت.. 15

تیسری وصیت: مناسک (حج وعمرہ) کی ادائیگی میں نبی ﷺ کی اقتدا کرنا۔......... 18

چوتھی وصیّت: اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرنا۔ 19

پانچویں وصیّت: حجِّ مبرور۔... 20

چھٹّی وصیّت: وقت سے استفادہ کرنا۔ 22

ساتویں وصیّت: توبۂ نصوح (خالص توبہ) کرنا اور قرض کو ادا کرنا۔.................. 24

آٹھویں وصیّت: عمومی آداب۔ 28

وہ مسائل جن کی حاجی اور معتمر شخص کو ضرورت پڑتی ہے.......................... 31

بیوی اور اولاد کا حج:.. 31

حج میں نیابت کا حکم:.. 33

احرام کا لباس:.. 37

محرم کن لباسوں سے اپنے آپ کو دور رکھے:.. 40

احرام کی حالت میں عورت کن لباس سے بچے؟.................................... 45

حج کے اقسام (انساک ثلاثہ):.. 47

احرام کی نماز: 52

محرم شخص کے لئے صابن کا استعمال کرنا:.. 54

اضطباع:.. 56

طواف میں طہارت کی شرط: 57

دورانِ طواف جب نماز قائم ہو جائے یا نماز کے لئے اقامت کہی جائے:........ 59

حاملہ عورت اور سوار شخص کا طواف: 61

مسجد حرام کا تحیّہ (استقبالیہ): 64

سعی کو طواف پر مقدّم کرنا:.. 65

غروبِ شمس تک عرفہ میں باقی رہنا واجب ہے:.................................. 69

مزدلفہ سے چاند کے غائب ہونے کے بعد لوٹنا: 72
دس ذوالحجہ (یوم نحر) کے اعمال اور ان کی ترتیب: 75
ہدی کے نحر کرنے کی جگہ: 77
ہدی (حج میں قربان کیا جانے والا جانور) کے گوشت کی تقسیم کی جگہ: 80
حلق یا تقصیر: (بال منڈوانا یا پورے سر کے بال کو چھوٹا) کرانا: 81
تقصیر کی مقدار: 85
سات کنکریاں مارنا ضروری ہے: 87
جمرات کی کنکری چننے کی جگہ: 89
کنکری کی تعداد میں شک کا حکم: 91
رمی جمار کے لیے وکیل بنانے کا حکم: 93
رات کے وقت رمی کرنا: 95
منیٰ میں رات گذارنا: 99
زوال سے پہلے رمی کرنے کا حکم: 102
طواف افاضہ کا طواف وداع سے کفایت کرنا: 106

عمرہ کے مسائل.. 111
جو شخص عمرہ میں حلق کروانے سے پہلے لباس پہن لے: 113
عمرہ میں طوافِ وداع کا حکم: 115
بار بار عمرہ کرنا:... 119

نبذة مختصرة عن الكتاب:

مسائل يكثر السؤال عنها في الحج :كتاب قيّم مترجم إلى اللغة الأردية يقول المصنف - حفظه الله –عنه:«ففي موسم الحج من كل عام تكثر أسئلة الناس عن أحكام الحج ومناسكه، سواء كان ذلك قبل الحج أو في أيامه، وقد تبين لي من خلال ذلك أن هناك مسائل يتكرر السؤال عنها، ومثلها في أحكام العمرة، مما يدل على شدة الحاجة إليها، وكان يتردد في ذهني بين حين وآخر أن أجمع شيئًا من هذه المسائل وأبين أحكامها، وشجعني على ذلك بعض الأخوة - أثابهم الله - فعزمت - متوكلاً على الله تعالى - وجمعت هذه المسائل بعد حج عام (1422 هـ (وأضفت إليها ما رأيت - حسب اجتهادي - أن الحاجة داعية إلى ذكره، كل ذلك بعبارة واضحة، مقرونة بالدليل معتمدًا على أظهر الأقوال فيما فيه خلاف.«

عرضِ مُترجم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اَمابعد:

حج اسلام کے پانچ ارکانوں میں سے ایک اہم رکن ہے جو زندگی میں صاحبِ استطاعت پر ایک بار فرض ہے،اس کے بہت سارے فضائل ومناقب ہیں،ارشاد رسول ﷺ ہے:"جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا اور فحش کام اور فسق وفجور سے پرہیز کیا تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک وصاف کردیا جاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت تھا"۔(بخاری ومسلم)۔

اوررسول ﷺ کا فرمان ہے:"ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرناان کے مابین گناہوں کا کفّارہ ہوتاہے،اورحجِ مبرور(مقبول)کاصلہ جنّت کے سوا کچھ نہیں ہے"۔(بخاری ومسلم)،لیکن شرط یہ ہے کہ حج کے تمام ارکان وواجبات اور سنن کورسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق بجالایاجائے۔

اور چونکہ حج میں بہت سارے نئے مسائل پیش آتے رہتے ہیں، جن کے بارے میں بارہا سوال کئے جاتے ہیں، جن کی معرفت رکھنا ایک حاجی شخص کے لئے ضروری ہے، تاکہ سنت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس کا حج وعمرہ ادا ہوسکے۔

زیر تبصرہ عربی کتاب (مسائل یکثر السؤال عنها في الحج) ''حج میں کثرت سے پوچھے جانے والے مسائل'' سعودی عرب کے مشہور عالم دین فضیلۃ الشیخ ر عبد اللہ بن صالح الفوزان۔ حفظہ اللہ۔ کی تالیف ہے، جس میں حج وعمرہ کے بارے میں کثرت سے کیے جانے والے سوالات کا کتاب وسنت کی روشنی میں اختصار کے ساتھ تشفی بخش جواب دیا گیا ہے۔

اسلام ہاؤس ڈاٹ کام کے شعبۂ ترجمہ وتالیف نے افادۂ عام کی خاطر اسے اردو قالب میں ڈھالا ہے، حتیٰ الامکان ترجمہ کو درست ومعیاری بنانے کی کوشش کی گئی ہے، اور مؤلّف کے مقصود کا خاص خیال رکھا گیا ہے، اور آسان عام فہم زبان اور شُستہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے

تا کہ عام قارئین کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو، مگر کمال صرف اللہ عزوجل کی ذات کا خاصہ ہے، لہذا کسی مقام پر اگر کوئی سَقم نظر آئے تو ازراہِ کرم خاکسار کو مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اس کی اصلاح کی جا سکے۔

ربّ کریم سے دعا ہے کہ اس کتاب کو لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، اس کے نفع کو عام کرے، والدین اور جملہ اساتذۂ کرام کے لئے مغفرت وسامانِ آخرت بنائے، اور کتاب کے مولّف، مترجم، مراجع ،ناشر اور تمام معاونین کی خدمات کو قبول کرکے ان سب کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم۔

(طالبِ دُعا:abufaisalzia@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدّمہ

ہر قسم کی تعریفات صرف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے، اوردرود وسلام نازل ہو نبیوں اوررسولوں کے خاتم، ہمارے نبی محمد بن عبد اللہ پر، اوران کے خاندان، ان کے تمام اصحاب، نیز قیامت تک ان کے سچے متّبعین اور پیروکاروں پر۔

حمد وصلاۃ کے بعد: ہر سال موسمِ حج میں، حج اور اس کے مناسک کے بارے میں لوگوں کی طرف سے کثرت سے سوالات کئے جاتے ہیں، خواہ یہ حج سے پہلے کئے جاتے ہوں یا حج کے ایام میں۔ اس کے ذریعہ مجھے اس بات کا اندازہ ہوا کہ حج اوراسی طرح عمرہ سے متعلق کچھ ایسے مسائل ہیں جن کے بارے میں

بار بار سوال ہوتا رہتا ہے، جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کی معرفت حاصل کرنا سخت ضروری ہے۔ اور وقتاً فوقتاً میرے دماغ میں یہ بات کھٹکتی رہتی تھی کہ ان مسائل میں سے کچھ کو جمع کروں اور ان کے احکام کو واضح کروں، اوراس چیز پر مجھے بعض اخوان ۔اللہ انہیں اجر سے نوازے۔ نے حوصلہ افزائی فرمائی، اور میں نے اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے عزمِ مصمّم کیا ،اور ان مسائل کو میں نے 1422ھ میں حج کرنے کے بعد جمع کیا، اوراپنی اجتہاد کے مطابق جن چیزوں کے اضافے کی ضرورت تھی اس میں اضافہ کیا، اور (یہ) سب واضح عبارت میں، دلیل کے ساتھ ہیں اور مختلف فیہ مسائل میں سب سے زیادہ ظاہر قول پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اور یہ مسائل ایسے ہیں جو اضافہ وزیادتی کے لائق ہیں، اور بسا اوقات (ان میں سے) جس کو لوگوں کی ضروریات سے موصوف کیا گیا ہے لوگوں کا نقطۂ نظر مختلف ہوتا رہتا ہے۔ اور میں اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے حاجی کے تمام ضروری (سوالات) کو یکجا کر دیا ہے، لیکن یہ چند (سوالات) ہیں جو مجھے اس وقت میسّر ہوئیں۔

اور مناسکِ حج بھی شریعت کے دیگر احکام کے مطابق آسانی اور سہولت پر مبنی ہیں، بلکہ آسانی وسہولت مناسک حج میں واضح صفت ہے، لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ آدمی (استطاعت) کے باوجود مناسک کی ادائیگی میں تساہل سے کام لے، جو بسا اوقات اس کی یا اس میں سے بعض کی بگاڑ وخرابی کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، اور جس کے نتیجے میں بعض لوگ ایسے

لوگوں کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیتے ہیں جو من مانی فتویٰ دیتے ہیں۔

آٹھ وصیتیں:

قبل اس کے کہ فقہی مسائل کا آغاز کیا جائے میں درج ذیل (ضروری) وصیتوں کو پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں، امید کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے (لوگوں کو) فائدہ پہنچائے گا۔

پہلی وصیّت: اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کو خالص کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کو خالص کرنا اس کے قبولیت کی شرط میں سے ہے، اس طرح کہ بندے کے تمام اعمال مثلاً نماز، دعا، طواف، سعی اوراس کے علاوہ دیگر اقوال، افعال اور انفاق صرف اللہ عزوجل کے لئے ہوں، اور ریاونمود سے پاک ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں اعمال کو قبول فرماتا ہے جو اس کے

لیے خالص ہوں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:" تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے"[سورہ کہف:۱۱۰] اور فرمایا:"انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔ ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی ہے دین سیدھی ملت کا" [سورہ بیّنہ:۵] اور جب بندہ اپنی تمام صورتوں میں اللہ رب العالمین کے تقرّب کی نیت کرے گا تو یہ اس کی نیکیوں میں اضافے اور گناہوں کے کفّارے کا سبب بنے گا، جیسا کہ سنّت مبارکہ اس پر دلالت کرتی ہے۔

دوسری وصیّت: حج کے طریقہ کی معرفت

حج کا ارادہ کرنے والے کے لئے حج کے احکام اور اس کے ادائیگی کے طریقہ کی معرفت رکھنا ضروری ہے، چناں چہ اس کو احرام کا طریقہ، طواف کا طریقہ، سعی کا طریقہ، اوراسی طرح دیگر مناسک کے بارے میں علم رکھنا چاہئے، کیوں کہ عمل کی قبولیت کی شرط یہ ہے کہ: وہ عمل خالص رضائے الہی کے لئے ہو۔ جیسا کہ گذر چکا۔ اور اس چیز کے موافق ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مشروع کیا ہے یا اپنے نبی ﷺ کی زبانی یعنی حدیث میں مشروع ٹھرایا ہے، لہذا حج کا ارادہ رکھنے والے کے لیے حج کے احکام کی معرفت وجانکاری کافی اہمیت کی حامل ہے، تاکہ بندۂ مومن بصیرت کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرسکے، اور نبی ﷺ کی متابعت کو ثابت کرسکے، اور بے شک نبی ﷺ کا

فرمان ہے: ”مجھ سے اپنے حج کے مناسک سیکھ لو، اس لئے کہ میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد حج کروں“۔(صحیح مسلم: حدیث نمبر:۱۲۹۷)

اور اس کے سیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اہل علم سے مناسک کی ادائیگی کے طریقہ کے بارے میں سوال کرے، یا اگر وہ پڑھنے اور سمجھنے والا ہے تو اسے مناسک کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے، یا اسے ایسی جماعت کی مصاحبت اختیار کرنی چاہئے جس کے اندر کوئی طالب علم ہو جس سے وہ استفادہ کر سکے۔

اور لوگوں میں سے بعض حضرات عظیم شعائر کی ادائیگی جیسے طریقۂ احرام، طریقۂ طواف یا سعی یا ان کے علاوہ میں جو غلطی کرتے ہیں اسکے چند اسباب ہیں:

۱۔ جہالت اور مناسک کے احکام کا علم نہ حاصل کرنا۔

۲۔ معتبر و باوثوق اور زہد و پرہیز گار علماء سے سوال نہ کرنا۔

۳۔ علماء کو چھوڑ کر جاہل لوگوں سے سوال کرنا۔

4۔ لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کی تقلید کرنا۔

حالاں کہ مسلمان کے لئے اس چیز کی حرص رکھنا ضروری ہے جو اس کو واجبات دین میں سے اس پر عائد ذمے داری سے بری کر دے، اور اپنے رب کی عبادت کے طریقہ کی جانکاری حاصل کرے، اور بندوں کے ساتھ تعامل کے طریقہ کو سیکھے، کیوں کہ اس علم (دین) کا سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض عین ہے، تاکہ علم و بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے۔

تیسری وصیت: مناسک (حج وعمرہ) کی ادائیگی میں نبی ﷺ کی اقتدا کرنا۔

مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ مناسکِ حج وعمرہ کی ادائیگی میں اپنے نبی ﷺ کی اقتدا کرے، اور اسے اسی طرح ادا کرے جس طرح نبی ﷺ کرتے تھے، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "مجھ سے اپنے حج کے مناسک سیکھ لو، اس لئے کہ میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد حج کروں یا نہیں"۔(اسے مسلم نے حدیث نمبر:۱۲۹۷ کے تحت ذکر کیا ہے، اور نسائی:(۵/۲۷۰) نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے: "اے لوگو! اپنے حج کے طریقہ کو سیکھ لو، کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس سال کے بعد دوبارہ حج کرسکوں گا"۔

اسی طرح حاجی کو انبدعات سے بچنا چاہئے جسے لوگوں نے حج سے ملا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین میں جس کا کوئی دلیل وثبوت نہیں ہے۔

چوتھی وصیّت: اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرنا۔

حاجی کو اس بات کی تاکید کی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرے، اور مشاعرِ مقدسہ کی فضیلت اور اس کی قدروقیمت کو محسوس کرے، تاکہ اپنے مناسک کو تعظیم واجلال ،محبت ومودت اور خشوع و خضوع الٰہی کے طور پر ادا کرے، اوراس کی علامت یہ ہے کہ وہ حج کے شعائر کو سکون ووقار کے ساتھ ادا کرے، اور اپنے اقوال وافعال میں غوروفکر سے کام لے، اور جلد بازی سے بچے جس میں موجودہ زمانہ کے بہتیرے لوگ مبتلا ہیں، اور اطاعتِ الٰہی میں اپنے نفس کو صبر کا عادی

بنائے، کیونکہ یہ قبولیت کے زیادہ قریب اور ثواب کے اعتبار سے بہت بڑھ کر ہے۔

پانچویں وصیّت: حجِّ مبرور۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے: "ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ دونوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے، اور حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے" (بخاری: 1683، ومسلم: 1349)۔

اور حجِ مبرور وہ ہے جس میں چار صفتیں پائی جائیں:

اوّل: اس کے اندر نفقہ و خرچہ، حلال اور پاکیزہ مال سے لگا ہو، ارشاد نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، اور

صرف پاک چیز کو ہی قبول کرتا ہے...) (اسے مسلم نے حدیث نمبر:۱۰۱۵ کے تحت روایت کیا ہے)

دوم: معاصی، گناہوں، بدعات وخرافات اور خلاف ورزی کے کاموں سے دوری اختیار کرنا، کیونکہ یہ ساری چیزیں کسی بھی نیک عمل میں اثر انداز ہو سکتی ہیں، اور بسا اوقات اس کے عدمِ قبولیت کا سبب ہوتی ہیں، تو حج کے اندر بطور اولیٰ اثر انداز ہوں گی۔

سوم: حج کے واجبات اور سنتوں کی محافظت کے بارے میں اجتہاد ومحنت سے کام لینا، اور اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی اقتدا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرنا۔ جیسا کہ اس کا بیان گذر چکا۔

چہارم: اپنی اقامت گاہ اور سفر و سواری میں، اور دوسروں کے ساتھ تعامل میں اور اپنے تمام احوال میں تواضع وخاکساری، نرم خوئی اور حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرنا، جس طرح نبی ﷺ نے اپنے حج میں کیا تھا۔

اور امام ابن عبد البرؒ نے (حجِ مبرور کی علامت کے بارے میں) کیا ہی بہترین فرمایا ہے: جیسا کہ ((التمھید: ۳۹/۲۲)) میں ہے: ''حجِ مبرور کے بارے میں کہا گیا ہے: ایسا حج جس میں ریاو نمود اور دکھلاوا نہ ہو، نہ کوئی شہوت اور فسق وفجور کا کام انجام دیا گیا ہو، اور وہ حج حلال مال سے کیا گیا ہو...''۔

چھٹّی وصیّت: وقت سے استفادہ کرنا۔

مسلمان کو چاہئے کہ اپنے اوقات سے فائدہ اٹھائے، اور اسے اطاعتِ الٰہی نماز، تلاوت، قرآن، ذکر واذکار، مفید کتابوں کا

مطالعہ اور علم کے پڑھنے پڑھانے میں استعمال کرے، اور یہ نیک ساتھی کے اختیار کرنے سے ہی ممکن ہو گا، کیونکہ حاجی شخص اپنے گھر بار اور اہل و عیال کو محض اجر و ثواب کے حصول کیلئے چھوڑتا اور سفر کرتا ہے، اوراس بات کی امید کرتا ہے کہ جب وہ حج کے سفر سے واپس ہو تو اللہ کی طرف سے اس کے گناہ کو بخش دیا گیا ہو، لہذا اسے فاضل اوقات کو اماکنِ مقدّسہ میں استعمال کرنا چاہیئے، اور غیر نفع بخش چیزوں میں اپنے اوقات کو ضائع کرنے سے بچنا چاہیئے، اور پوری زندگی معاصی و گناہوں کے کاموں سے اجتناب کرنا چاہیئے، اور متبرک جگھوں نیز متشرف اوقات میں یہ ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے، اور یہ اس کے طاعت میں اثرانداز ہوتی ہے اور اس کے ثواب کو کم کردیتی ہے۔

ساتویں وصیّت: توبۂ نصوح (خالص توبہ) کرنا اور قرض کو ادا کرنا۔

اہلِ علم کے کلام میں بارہا حج کا ارادہ رکھنے والے شخص کے لئے تمام گناہوں سے توبہ کرنے، بندوں پر کئے جانے والے تمام مظالم سے باز آنے، حتیٰ الامکان قرض کو ادا کرنے کے بارے میں وصیّت ہوتی رہتی ہے، کیونکہ اسے یہ نہیں معلوم کہ اس کے سفر میں کیا پیش آنے والا ہے۔

جبکہ اس امر کا بہت سارے لوگوں کے یہاں کوئی اعتبار نہیں ،اس لئے آپ ان میں سے ایک شخص کو دیکھتے ہو کہ وہ حج کو جاتا ہے اور گناہوں میں ملوّث ولَت پَت ہو کر آتا ہے، اوراس کا وہ برابر ارتکاب کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ فضیلت والے اوقات اور مقدس جگہوں میں بھی۔ اس کے دل میں توبہ کا احساس نہیں ہوتا، اوراس کے دماغ میں گناہوں سے پچھتاوا اور ترک کرنے

کے بارے میں کوئی کھٹک نہیں پیدا ہوتا،اور یہ ایسا معاملہ ہے جس سے آگاہ ہونا چاہیے،لہذا اے میرے بھائی! تم کو اللہ تعالیٰ کے درج ذیل قول میں غوروفکر کرنا چاہئے:"حج میں نہ تو اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنا ہے، اور نہ ہی گناہ اور لڑائی جھگڑا کرنا ہے"۔[سورہ بقرہ:۱۹۷]

بے شک فضیلت والے اوقات میں توبہ کرنا کافی بلند شان رکھتا ہے، کیونکہ اکثر و بیشتر دل طاعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور بھلائی کی طرف راغب ہوتے ہیں، چناں چہ توبہ کے ذریعہ گناہ کا اعتراف اور گزرے ہوئے پر ندامت کا اظہار پایا جاتا ہے، ورنہ توبہ تو ہر زمانے میں فوری طور پر واجب ہے، کیونکہ انسان کو یہ نہیں معلوم کہ اس کا موت کس پل ہو جائے،اور خاص طور سے وہ شخص جو سفر اور خطرات کا سامنا کرتا ہے، کیونکہ برائیاں

برائیوں کو ہی لاتی ہیں۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۔رحمۃ اللہ علیہ۔نے مجموع الفتاویٰ (180/34) میں ذکر کیا ہے کہ:"فضیلت والے ایام اور جگہوں میں برائیاں سخت ہو جاتی ہیں، اوران کی سزائیں زمان ومکان کی قدر ومنزلت کے اعتبار سے ہوتی ہیں"۔جہاں تک قرض ادا کرنے کی بات ہے تو اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ وجوبِ حج میں مشروط استطاعت سے مانع ہے، خواہ یہ قرض اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو جیسے:نذریں، کفارات وغیرہ،یا آدمی کے ہوں جیسے قرض،اجرت،سامان کی قیمت وغیرہ۔ پس اگر قرض دار کے پاس اتنا مال ہے جو حج اور قرض ادا کرنے کے لئے کافی ہے تو اس صورت میں حج کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس کو قرض کی ادائیگی میں جلدی کرنی چاہئے اگر اس قرض کا مطالبہ جلدی ہو تا کہ اپنی ذمہ داری سے جلد

عہدہ بر آ ہو سکے، کیونکہ اسے یہ نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ کیا پیش ہونے والا ہے۔ اوراگر اس قرض کے ادائیگی میں تاخیر ہو تو وہ اپنے مال میں سے اتنا باقی رکھدے جو اس کے قرض کے ادا کیلئے کافی ہو، اوراس کی وصیت کر جائے۔ اسی طرح وہ شخص ہے جس کے اور لوگوں کے درمیان کوئی معاملات ہوں اور اس کے (دوسروں پر) حقوق ہوں اوراس پر (دوسروں کے) حقوق ہوں، تو اس کے لئے حج کرنا جائز ہے، لیکن اس کے لئے اپنے حق کو اور دوسرے کے جو اس پر حق ہیں بیان کرنا ضروری ہے

لیکن اگر مال تھوڑا ہو جو اس کے حج اور قرض ادا کرنے کے لئے کافی نہ ہو، تو قرض کی ادائیگی مقدم ہو گی، اور ایسی صورت میں وہ غیر مستطیع قرار پائے گا، لہذا اللہ تعالیٰ کے اس قول کے عموم میں نہیں داخل ہو گا: "اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی

طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا گیا ہے۔"[سورہ حج:۹۷] اس سلسلہ میں قرض خواہ سے اجازت طلب کرنا کافی نہ ہو گا، کیونکہ مقصود ذمہ داری سے براءت ہے، نہ کہ صاحب حق سے اجازت طلب کرنا، کیونکہ اگر وہ اجازت دے بھی دے تو اس اجازت سے وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ بر آ نہیں ہو گا جب تک کہ وہ اس سے بری نہ کر دے

آٹھویں وصیّت: عمومی آداب۔

حج کے چند عمومی آداب ہیں جن کا تعلق انسان کا خود اس کی ذات کے ساتھ ہے اور کچھ کا تعلق انسان کا اس کے غیر کے ساتھ ہے، ان میں سے چند اہم آداب درج ذیل ہیں:

ا۔ سفر کے آداب کو ملحوظ رکھنا: مثال کے طور پر سواری کے وقت اور اہل و عیال اور دوستوں کو الوداع کہتے وقت، اور کسی

بلندی سے نزول کے وقت دعا کرنا، اور بلندی پر چڑھتے وقت اللہ اکبر کہنا، اور کسی وادی میں نزول کے وقت سبحان اللہ کہنا، راستہ میں یا راستہ کے قریب نہ اترنا، گاڑی کے ساتھ مہربانی کرنا، اور اس کے تمام حصے (پارٹس) کا جانچ کرنا، تاکہ سواری کے لئے درست و صحیح سالم ہو اور منزل تک آسانی سے پہنچا جاسکے۔

۲۔ صبر سے کام لینا اور نفس کو مشقت برداشت کرنے کا متحمل بنانا، لہذا لمبے راستے، یا گرمی، یا بھیڑ یا قلّتِ طعام (خوراک) وغیرہ سے اکتاہٹ نہ محسوس کرے، کیونکہ حج میں مشقت ہوتا ہے، اور تھکاوٹ ہوتی ہے، گرچہ راستے ہموار ہوں اور تمام طرح کے مواصلات کے وسائل میسر ہوں۔

۳۔ اے میرے بھائی! تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دو، جاہل کو سکھاؤ، بھٹکے شخص کی رہنمائی

کرو، بھلائی کے کام کے حریص بنو اور دوسروں کو حسب استطاعت نفع پہنچاؤ۔

4۔امیر کی اطاعت کرو،اور اپنے ساتھی کی رائے سے ہٹ کر منفرد رائے کے تنفیذ پر مصرّ نہ رہو، اور اپنے ساتھی کی خدمت کرنا پسند کرو اور اسے آرام پہنچانے کے حریص رہو۔

۵۔ قیل و قال ، بے ہودہ بات اور باطل کلام سے اپنے زبان کی حفاظت کرو، زیادہ مزاح ودل لگی سے بچو، کیونکہ آپ کے اوقات بہت متبرک ہیں، اور آپ کے لمحات بہت قیمتی ہیں، لہذا اسے ان جیسی چیزوں کے ذریعہ ستامت کرو۔

وہ مسائل جن کی حاجی اور معتمر شخص کو ضرورت پڑتی ہے

بیوی اور اولاد کا حج:

استطاعت رکھنے والے آباء اور اولیاء کے لئے مناسب ہے کہ اپنے ماتحت بیٹوں اور بیٹیوں کو حج کروائیں، نبی ﷺ کے اس عام فرمان کی وجہ سے: "تم میں سے ہر ایک شخص نگراں ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا"۔ (بخاری حدیث:۷۱۳۸، مسلم حدیث:۱۸۲۹)

اور یہ حج کرانا بیٹی کے حق میں اس کی شادی سے پہلے زیادہ موکّد ہو جاتا ہے، کیونکہ شادی سے پہلے اس کا حج کرنا سہل وآسان ہے، برخلاف شادی کے بعد، کیونکہ وہ حمل وارضاع (دودھ پلانے) اور تربیتِ اولاد سے دوچار ہو جاتی ہے، لہذا شادی سے پہلے اس کا حج کرنا نہایت ہی مناسب ہے۔

اور شوہر کے لئے اپنی بیوی کو اسلامی حج کرنے سے روکنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اصل شریعت سے واجب ہے، اور اگر شوہر قادر ہے تو اسے اپنی بیوی کے حج کے سلسلے میں جلدی کرنا چاہئے، اور خاص کر وہ شخص جو نئی شادی کے بندھن سے جڑا ہوا ہو، لہذا اس مشن (حج) کو اس کے لیے آسان کرے اس کے ساتھ سفر کر کے، یا اس کے کسی بھائی کو اجازت دے کر، یا ان کے علاوہ اس کے کسی ایسے محرم کو اجازت دے کر جو اس کو حج کرواسکے، اور خاوند کو چاہئے کہ اس کے اولاد کی حفاظت اور گھر کے رکھوالی کا کسی کو جانشین بنائے، کیونکہ وہ اس پر اجر سے نوازا جائے گا۔

حج میں نیابت کا حکم:

فریضۂ حج کی ادائیگی میں مالی طور سے مستطیع اور جسمانی طور سے عاجز شخص کے لئے استنابت (کسی سے حجِ بدل کروانا) جائز ہے، جب کہ وہ کمزوری کی وجہ سے مکہ جانے کی قدرت نہ رکھتا ہو، یا اسے ایسا مرض لاحق ہو جس سے شفایابی کی امید نہ ہو، یا بڑھاپے کی وجہ سے، اسی طرح وہ شخص بھی جو چلنے پر تو قادر ہو لیکن بہت ہی مشقت سے۔

اسی طرح میّت کی طرف سے اس کے ترکہ سے حج کرنا واجب ہے، چاہے وہ اس کی وصیّت کرے یا نہ کرے، جب کہ وہ اپنی زندگی میں حج پر قادر تھا لیکن اس نے حج نہیں کیا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا اس پر قرض ہے، اور اللہ تعالیٰ کا قرض چکانے کے اعتبار سے زیادہ حق رکھتا ہے، جیسا کہ سنت سے ثابت ہے۔

رہا وہ شخص جو حج کی استطاعت سے پہلے ہی انتقال کر گیا، تو حج کی شروط نہ ثابت ہونے کی وجہ سے ایسا شخص گناہ گار نہ ہو گا، اور نہ ہی اس پر اللہ کا کوئی قرض ہے۔

اور یہ فریضہ حج کی بات ہے۔ رہی بات حجِ نفل میں استنابت کی تو بعض اہل علم نے اس سے منع کیا ہے، کیونکہ حج عبادت ہے، اور عبادت میں اصل توقیفی ہے، اور شریعت میں نفلی حج کی استنابت کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے، اور علماء میں سے بعض نے حجِ فرض پر قیاس کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا ہے۔

اور دوسرے کی طرف سے حج کی نیابت کرنے والے کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے اسلامی حج کر چکا ہو۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ نائب کا حج کرنا نائب بنانے والے کے شہر سے ہی ہو، بلکہ اگر وہ کسی کو اہل مکہ سے نائب بنادے تو جائز ہو گا،

اور عورت مرد کی طرف سے حج کر سکتی ہے اور مرد عورت کی طرف سے حج کر سکتا ہے۔

(اسی طرح) نیابت کرنے والے کے لئے مناسب نہیں کہ اس کا مقصد مال کمانا ہو، کیونکہ نیکی کے کاموں کے ذریعہ رزق حاصل کرنا صالحین کا شیوہ نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد اپنے بھائی کے ساتھ اس کو اس کی ذمہ داری سے عہد بر آ کر کے احسان کرنا ہو، ساتھ ہی مشاعر کا مشاہدہ اور وہاں عبادت کرنا ہو، تو ایسا شخص محسِن ہے، اور اللہ تعالیٰ احسان و بھلائی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اور جو کچھ مال اسے دیا جائے وہ اسی کا ہو گا، لہذا اس کے لئے اس میں حسب منشا کھانے، پینے اور سواری میں خرچ کرنا جائز ہو گا، پس اگر اس میں سے کچھ بچ جاتا ہے تو وہ اسے لے سکتا ہے، اور

اسی پر موجودہ زمانہ میں لوگوں کا عمل ہے،اور اس سلسلہ میں فقہاء کے ہاں لمبی تفصیلات ہیں جن کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

نسک کا طریقہ یہ ہے کہ وہ فلاں شخص کی طرف سے دل سے احرام کی نیت کرے، پھر ”لبیک عمرۃ عن فلان، یا لبیک حجاًو عمرۃً“ ۔مطلوبہ نسک کے اعتبار سے ۔ کہے،اور جس کی طرف سے حج کر رہاہے اگر اس کا نام بھول جائے تو کوئی نقصان نہیں، بلکہ نیت ہی کافی ہو گی۔

اسی طرح حج کی نیابت کرنے والے پر واجب ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے، اور نسک کو مکمل طور سے کرنے کا حرص مند ہو، اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے، کیونکہ وہ اس پر امین ہے۔

احرام کا لباس:

احرام کہتے ہیں نسک (حج وعمرہ یا ان میں سے کسی ایک عبادت) میں داخل ہونے کی نیت کرنا، اس سے لباسِ احرام زیب تن کرنا مراد نہیں ہے، کیونکہ اس کا پہننا اس احرام کے لئے تیاری ہے جو بغیر نیت کے منعقد نہیں ہوتا۔

مرد کے لئے مستحب ہے کہ نبی ﷺ کی اقتدا اور آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے، ایک سفید وصاف ستھرا تہبند اور چادر میں احرام پہنے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جس کو مسند احمد (500/8) وغیرہ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

ازار کہتے ہیں: جو بدن کے نچلے حصّے کو ڈھانپ لے، اور کمر پر باندھا جائے۔ اور چادر کہتے ہیں: جو بدن کے اوپری حصّہ کو ڈھانپ لے اور دونوں کندھوں پر رکھا جائے۔

رہی بات مارکیٹ میں جو سلا ہوا تہبند نکلا ہے تو ظاہر بات یہی ہے کہ اس کا استعمال جائز نہیں ہے، کیونکہ جب اسے سِل دیا گیا تو وہ ازار کی حد سے نکل گیا، اور اس کے دو اسباب ہیں:

اوّل: لغت کے اعتبار سے، جیسا کہ تاج العروس (۱۱/۳) میں آیا ہے کہ ازار وہ ہے جو سلا ہوا نہ ہو، اور اس کی تائید شاعر کے درج ذیل قول سے ہوتی ہے:

یہ ہر میدان کارزار کے سپاہی ہیں، اور پاک طینت لنگوٹ باندھے ہوئے ہوتے ہیں۔

توازار وہ ہے جو دونوں (حقوین[1]) کمر پر باندھا جائے اور اسے سلا نہ جائے۔

دوم: حدیث جابر رضی اللہ عنہ جس میں نبی ﷺ کا فرمان ہے: (اگر لباس کشادہ ہے تو اس کے دونوں کناروں کو مخالف کر کے کاندھے پر ڈال لو، اور اگر تنگ ہو تو اس کا ازار بنا لو۔ (اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے)۔

تو آپ ﷺ نے اس کو نماز کے لباس کی کیفیت کے بارے میں بتلایا، اور وہ یہ کہ اگر کپڑا کشادہ ہے تو اس سے سارے بدن کو ڈھکا جائے گا، اور اگر تنگ ہو تو صرف نچلے بدن کے ڈھانکنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ اور معلوم رہے کہ اگر کپڑا سلا ہوا ہوتا تو ایسا

([1]) الحَقْوُ ازار باندھنے کی جگہ یعنی کمر کو کہتے ہیں

ممکن نہ ہوتا، تو اس سے پتہ چلا کہ ازار نام ہے اس چیز کا جو نچلے بدن کے (حصہ) کو ڈھانپ لے، نہ کہ سلا ہوا ہو۔

محرم کن لباسوں سے اپنے آپ کو دور رکھے:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ محرم (حالتِ احرام میں) کون سا کپڑا پہنے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "نہ قمیص پہنو نہ پاجامے، نہ عمامے اور نہ برنس (ایک قسم کی ٹوپی ہے)، اور نہ موزے، لیکن اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہن لے، اسی طرح کوئی ایسا لباس نہ پہنو جس میں زعفران یا ورس (ایک قسم کا پودا جو رنگائی کے کام میں لایا جاتا ہے) لگا ہو"۔ (بخاری: 1542)، ومسلم : 1177) اور لفظ مسلم کے ہیں۔

یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے، کیونکہ آپ ﷺ سے محرم کو پہنے جانے والے لباس کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ نے اسکو نہ پہنے والے لباس کے بارے میں جواب دیا، تاکہ یہ واضح کر دیں کہ ان مذکورہ لباس اور ان کے مشابہ لباس کے ماسوا تمام لباس محرم کے لئے پہننا درست وجائز ہیں، اور اس سلسلے میں چھ انواع (کی لباس) کا تذکرہ کیا گیا ہے:

۱۔ قُمُص: قمیص کی جمع ہے، آستینوں والا لباس، اور اس کے ساتھ اس سے مشابہ: کوٹ، چغہ، اور بنڈی وغیرہ بھی شامل ہو گا۔

۲۔ عمائم: جمع ہے عمامہ کی، وہ چیز جو سر پر لپیٹی جائے، اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے ٹوپی اور جو اس کے معنیٰ میں ہے۔

۳۔ سراویلات: جمع ہے سراویل کی، ایسے ازار کو کہتے ہیں جو آستین والا ہو،اور اسی پر جھنگیا(چھوٹے شلوار) کو قیاس کیا جائے گا،اور ازار (تہبند) نہ ہونے کی صورت میں شلوار کا پہننا جائز ہے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے۔

4۔ برانس: جمع برنس کی، ایسا کپڑا جو بدن وسر کو شامل ہو، اور اسی سے ملحق عباء(چغہ) ہے۔

۵۔ خِفاف: جمع ہے خُف کی، چمڑے کا بنا ہوا موزہ جو پاؤں پر اس کو ڈھکنے کے لئے پہنا جائے۔ اور جوتے نہ ہونے کی شکل میں اس کا پہننا جائز ہے، اور دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ کاٹنے کا حکم منسوخ ہوچکا ہے۔ یہ مذکورہ اقسام مردوں کے ساتھ خاص ہیں۔

6۔زعفران یاورس سے معطّر کپڑا، ورس ایک خوشبودار پوداہے، جس کا رنگ سرخ ہوتاہے، اور انہی دونوں پر بقیہ خوشبو کے اقسام کو قیاس کیا جائے گا، اور یہ مرد وعورت دونوں پر حرام ہے۔ اوپر گذرے ہوئے تمام چیزوں کا ضابطہ یہ ہے کہ جو جسم کی مقدار یا اس کے کسی جزء یا اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کے برابر سلا گیا کپڑا ہو تو اس کا پہننا ممنوع وحرام ہے۔

اور "مخیط" کا لفظ کتبِ مناسک میں مشہور ہو گیا ہے، حالانکہ اس کا ذکر سنّت میں نہیں آیا ہے، بلکہ یہ بعض تابعین(2) کی

---

(2) شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ نے (الشرح الممتع:7/147 میں ذکر کیا ہے کہ بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے لفظ مخیط کی تعبیر ابراہیم نخعیؒ نے کیا، حالانکہ میں نے اس کو تلاش کیا مگر نہیں پایا، البتہ سرخسیؒ کی (المبسوط:4/138) میں اس بات کو پایا کہ اس کی تعبیر سب سے پہلے زُفر بن ہذیلؒ نے کی، یہ ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سے تھے، اور سن ۱۵۸ھ میں وفات کیے۔

زبان پر جاری ہو گیا یہاں تک کہ کتبِ فقہ میں بکثرت استعمال ہونے لگا، پس اکثر لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ اس سے مقصود ہر سلا ہو الباس ہے، اور یہ خیال کرنے لگے کہ بُنے ہوئے چادر کا استعمال اس کے چھوٹا ہونے، یا تنگ ہونے، یا سلا ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، یا اس کے اندر شگاف پائے جانے کی وجہ سے، اسی طرح ان جوتوں اور بیلٹوں کو جن میں دھاگے ہوں ناجائز قرار دیا ہے جب کہ یہ درست نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ چیز ہے جو گذر چکی۔ نہ کہ اس سے مراد وہ ہے جس میں دھاگا ہو، اور اگر فقہائے کرام جو کچھ سنّت میں وارد ہے اور اسی سے اس کے مشابہ چیزوں کو شامل کر دیتے تو بہت زیادہ واضح ہوتا اور وہم سے دور ہوتا۔

احرام کی حالت میں عورت کن لباس سے بچے؟

احرام کی حالت میں عورت جو چاہے لباس پہنے، کسی (خاص) معین رنگ کی تقیید (قید) ضروری نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ ایسے زینت کے لباس سے اجتناب کرے جو نظر کو متوجہ کرے، یا اس میں کوئی تشبہ (مشابہت)ہو جیسا کہ سفید لباس، البتہ دو چیزوں سے (اجتناب کرے گی) رکے گی:

اوّل: نقاب، وہ لباس جس میں دونوں آنکھوں کے لئے سوراخ کر دیا جاتا ہے، لہذا اس کا پہننا جائز نہیں ہے۔

دوم: دستانہ، اور وہ انگلیوں والا غلاف ہے جس میں ہتھیلی کو داخل کیا جاتا ہے، اور یہ " شرّاب یدین" کے نام سے مشہور ہے، رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کے اس فرمان کی وجہ سے: "محرم عورت نہ تو نقاب پہنے، اور نہ ہی دستانہ استعمال کرے" (اسے بخاری نے

حدیث نمبر: 1542 اور مسلم نے حدیث نمبر: 1177 کے تحت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ذکر کیا ہے، اور یہ بخاری کے الفاظ ہیں)۔

رہی بات بعض ان عورتوں کی جو نقاب لگاتی ہیں اور اس کے اوپر حجاب استعمال کرتی ہیں، تاکہ راستہ نظر آئے، تو۔ واللہ اعلم۔ ظاہر یہی ہے کہ نقاب سے ممانعت کی عمومی ممانعت اس کو بھی شامل ہوگی، کیونکہ پہننا پایا جارہا ہے، پس اگر کہا جائے کہ کیا ضرورت کے وقت جائز نہیں، اور راستہ بھی ظاہر نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ: ممنوعات احرام میں سے جس چیز کو ضرورت کے تحت کیا جائے تو اس پر فدیہ ہے، اور چونکہ یہ غیر ظاہر ہے اس لئے ہو سکتا ہے حکم میں اثر انداز نہ ہو، جیسا کہ گذر چکا۔

اور مرد و عورت دونوں کے لئے احرام کا لباس بدلنا، اوراس کو احرام کے بعد دھونا جائز ہے، اور بعض عورتوں کا یہ خیال کہ محرم عورت اپنے احرام کے کپڑے میں ہی باقی رہے گی، اس کا تبدیل کرنا اور دھونا جائز نہیں، تو ان تمام چیزوں کی کوئی اصل اور دلیل نہیں ہے، واللہ اعلم۔

حج کے اقسام (انساک ثلاثہ):

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے (المغنی:۵/۸۲) میں اہل علم کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حج کے تینوں قسموں میں سے جس سے بھی چاہے احرام باندھنا جائز ہے، البتہ اختلاف افضلیت کے بارے میں ہے۔

اور سب سے بہتر نسک ہدی (حج کے قربانی کا جانور) نہ لے جانے والے کے حق میں حجِ تمتُّع کرنا ہے، وہ یہ کہ حج کے مہینے

میں عمرہ کا احرام باندھے ،پھر اس سے حلال ہوجائے، پھر آٹھویں(ذی الحجہ)کوحج کااحرام باندھے۔

اور رہی بات ہدی کو لے جانے والے کی تو اس کے حق میں حجِ قران افضل ہے، وہ یہ کہ میقات سے عمرہ اورحج کا ایک ساتھ احرام باندھے،اور یہی نبی ﷺ کا حج تھا، کیونکہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حج تمتُّع کرنے کا حکم دیا تھا، اور فرمایا:"اگر میرے ساتھ ہدی(حج کے قربانی کا جانور)نہ ہوتا تو میں حلال ہوجاتا"، اور ایک لفظ میں ہے:"اگر میرے ساتھ (حج کے قربانی کا جانور) نہ ہوتا تو میں تمہاری طرح حلال ہوجاتا"۔(بخاری:1651-7367، مسلم:1216)۔ پس اگر قران کا احرام باندھے اوراس کے پاس ہدی نہ ہو تو جائز ہے، لیکن اس پر اہل علم کے دو قول میں سے ایک قول کے مطابق حج

تمتُّع پر قیاس کرتے ہوئے ہدی لازم ہو گا، کیونکہ یہ اس کے معنٰی میں داخل ہے۔

نیز حجِ تمتع اور قران کے حکم میں اہل مکہ اوران کے علاوہ آفاقی لوگوں کے درمیان کوئی فرق نہیں، البتہ اہل مکہ پر ہدی نہیں ہے، کیونکہ ان اقوال میں سے ایک قول کے مطابق وہ مسجد حرام کے باشندے ہیں، اوروہ یہ کہ اللہ تعالٰی کے قول میں اشارہ: "یہ حکم ان کے لئے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں، لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالٰی سخت عذاب والا ہے" [سورہ بقرہ:196] ہدی اور صوم کی طرف لوٹتا ہے۔

اور جس نے صرف حج کا احرام باندھا یعنی مفرد، اسی طرح قارن جو ہدی کو نہیں لے گیا، تو اس کے حق میں مستحب ہے کہ اپنے

حج کو عمرہ میں تبدیل کر دے، جیسا کہ امام احمد کا مذہب ہے، اور اہل علم کی ایک جماعت اس کے وجوب کی طرف گئی ہے، کیونکہ نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اسی بات کا حکم دیا تھا۔

اوراگر وقت تنگ ہو جیسا کہ آدمی عرفہ کی صبح کو احرام باندھے تو احتمال ہے کہ ایسے شخص کو کہا جائے: اسے حجِ تمتع بنادے، اور احتمال ہے کہ اس سے کہا جائے: کہ وہ حج افراد کا احرام باندھے یا قران کا، اور یہی زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ تمتّع کی صورت اس کے حق میں غیر ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ''تو جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے''[سورہ بقرہ:196]اسی بنیاد پر وہ اپنی نسک پر باقی رہے گا، اوراس کے لئے فسخ کرنا جائز نہیں، کیونکہ وقت کی تنگی ہے، اوراس لئے بھی

کہ ''اِفراد'' حج کی تینوں قسموں میں سے ایک قسم ہے، خاص کر کے اس شخص کے حق میں جو مستقل سفر میں عمرہ کا احرام باندھے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حجِ تمتُّع کرنے والی عورت: جس عورت نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اگر اسے طواف سے پہلے حیض آجائے اور اسے حج کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اس طرح کہ یومِ عرفہ سے پہلے پاک نہ ہو تو وہ حج کا احرام باندھے گی اور قارنہ ہو جائے گی، اسی طرح اس کے علاوہ جو بھی عورت حج کے فوت ہونے کا اندیشہ محسوس کرے تو وہ احرام باندھ کر قارنہ بن جائے گی، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔

احرام کی نماز:

بہت سارے اہل علم نبی ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے احرام سے پہلے دو رکعت نمازادا کرنا مستحب سمجھتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرض نماز کے بعد احرام باندھا تھا، حالانکہ ۔واللہ اعلم۔ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ اگر فریضہ کی ادائیگی کے وقت احرام کا وقت ہو جائے تو فرض کے بعد احرام باندھنا بہتر ہے، اسی طرح نفل نماز جس کا وہ عادی ہے جیسے: چاشت کی دو رکعت تو اس کے بعد بھی باندھنا بہتر ہے، ورنہ احرام کی کوئی مخصوص نماز نہیں ہے، لہذا وہ بغیر نماز کے احرام باندھے گا، کیونکہ نبی ﷺ سے اس سلسلہ میں کچھ بھی منقول نہیں ہے، لیکن جو شخص ذوالحلیفہ سے احرام باندھتا ہے اس کے لئے دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی

حدیث ہے کہ انہوں نے رسول ﷺ سے وادی عقیق میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "میرے پاس رات کے وقت میرے رب کی طرف سے آنے والا ایک آیا اور کہا کہ: اس مبارک وادی میں نماز ادا کرو، اور کہو: عمرہ حج میں داخل ہو گیا"۔(صحیح بخاری:1534)۔

اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نماز اس جگہ کے ساتھ خاص تھی، اس مکان کی برکت کی وجہ سے، نہ کہ احرام کی وجہ سے۔ کیونکہ احتمال یہی ہے کہ وہ فرض نماز تھی، نہ کہ احرام کی دو رکعت، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز احرام کی وجہ سے تھی، لیکن یہ حکم دیگر میقاتوں پر ثابت نہیں ہو گا، واللہ اعلم۔

محرم شخص کے لئے صابن کا استعمال کرنا:

میل کچیل، اور چکناہٹ وغیرہ کو ختم کرنے کیلئے محرم شخص کیلئے صابن کا استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ خوشبو نہیں کہلاتا، اور اس کا استعمال کرنے والا خوشبو کا استعمال کرنے والا نہیں ہو گا، اسی طرح اس کے لئے اپنے سر کو دھونے کیلئے جدید دور کا نئے تیار کردہ مادّے (جیسے شمپو وغیرہ) کا استعمال کرنا جائز ہے، اسی طرح فقہاء نے بذات خود اگنے والے خوشبودار پودا کے سونگھنے کو جائز قرار دیا ہے، جیسے شیح (ایک قسم کا گھاس جسے چوپائے کھاتے ہیں)، خُزامی (ایک خوشبودار پودا جس کے پھول اور شاخیں انتہائی خوشبودار ہوتی ہیں) وغیرہ کہ جس کا خوشبو نہ بنایا جاتا ہو، یا وہ پودا جسے آدمی خود اگائے، جیسے فارسی میں ریحان

یعنی حَبَق (تیز خوشبودار نبات)، اور اسی کے مثل پودینہ کا سونگھنا وغیرہ۔

رہی بات زعفران کی تو یہ خوشبو ہے، اسی لئے جبتک احرام کی حالت میں رہے تو کافی (coffee) وغیرہ میں ڈالنے سے احتیاط کرنا چاہئے، اور محرم کو اس کپڑے کے استعمال کے بارے میں ممانعت آئی ہے جس پر زعفران لگا ہو، اسی طرح اس کے لئے الائچی اور لونگ کا کافی (coffee) میں استعمال کرنا درست ہے، کیونکہ یہ دونوں خوشبو کے مسمی میں داخل نہیں ہیں۔

اسی طرح محرم شخص کے لئے اپنے جسم میں تیل اور اسی طرح جدید دور کے تیار کردہ مادّے وغیرہ سے مالش کرنا جائز ہے، البتہ سر میں استعمال کے بارے میں اختلاف مشہور ہے، لیکن اس کا ترک کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اضطباع:

اضطباع کہتے ہیں کہ چادر کے درمیانی حصہ کو دائیں بغل کے نیچے کرکے،اس کے دونوں کناروں کو بائیں کندھے پر ڈال دیا جائے،اور یہ طواف قدوم کی سنتوں میں سے ہے ۔طواف قدوم وہ طواف ہے جو مکہ آنے پر سب سے پہلے کیا جاتا ہے۔ اور اضطباع کی جگہ طواف کا ارادہ کرتے وقت ہے،نہ کہ جیسا کہ بہت سے احرام باندھنے والے شروع احرام سے لے کر احرام کھولنے تک کرتے رہتے ہیں، کیونکہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے،لہذا ضرورت ہے کہ خود بھی اس کا دھیان رکھیں اور دوسروں کو بھی اس کی تنبیہ کریں۔ ابن عابدین اپنے (حاشیہ:۲/ ۵۱۲) میں فرماتے ہیں: ”مسنون اضطباع طواف

سے کچھ پہلے سے لے کر اس کے ختم کرنے تک ہے نہ کہ اس کے علاوہ (اوقات) میں"۔

طواف میں طہارت کی شرط:

جمہور اہل علم طواف میں طہارت کی شرط کی طرف گئے ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی وجہ سے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: "کعبۃ اللہ کا طواف کرنا نماز ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں بات چیت کو جائز قرار دیا ہے"۔ (سنن ترمذی:960، سنن دارمی:1/374، صحیح ابن خزیمہ:4/222، حاکم:1/409، (2/267)

اس حدیث کے مرفوع وموقوف ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی وجہ سے: "نبی ﷺ جب مکہ تشریف لائے تو سب سے پہلے وضو کیا، پھر طواف کیا" (بخاری:1536، مسلم:1235)، اور یہ اگرچہ فعل کے قبیل سے ہے، مگر اس کے قائلین کے نزدیک یہ فعل اللہ تعالیٰ کے درج ذیل قول کی وضاحت کرنے والا ہے: "اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں" [سورہ حج:29] اور نبی ﷺ سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے طواف کے لئے طہارت کا حکم دیا ہے، اور نہ ہی حدث والے شخص کو طواف سے منع کیا ہے، لیکن آپ ﷺ نے پاکی کی حالت میں طواف کیا ہے، اور حائضہ کو طواف سے منع کیا ہے، اور حائضہ کے منع کرنے سے مُحدِث شخص کو منع کرنا مستلزم نہیں ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ طہارت کے ساتھ طواف کرنا زیادہ بہتر، زیادہ احتیاط اور ذمہ

داری سے بری ہونا ہے، اور ساتھ ہی اس میں نبی ﷺ کی اتباع پائی جاتی ہے، اور بے شک آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''مجھ سے اپنے حج کے مناسک سیکھ لو''۔ لیکن اگر دوران طواف اس کا وضو ٹوٹ جائے، خاص کر آخری چکّر میں اور حج کا ایام ہو جس میں سخت بھیڑ ہو، تو یہ کہنا کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جائے اور وضو کر کے طواف کو شروع کرے تو اس میں بہت مشقت ہے، اور جب معاملہ اس طرح ہے، اور کوئی واضح دلیل نہیں ہے تو لوگوں کو اس چیز کا لازم ٹھہرانا محل نظر ہے، اور حج کے مناسک آسانی پر مبنی ہیں، واللہ اعلم

دورانِ طواف جب نماز قائم ہو جائے یا نماز کے لئے اقامت کہی جائے:

جب طواف کے دوران نماز قائم ہو جائے، یا جنازہ حاضر ہو تو نماز پڑھنے کے بعد اسی جگہ سے طواف شروع کرے جہاں پر

رُکا تھا، اور طواف منقطع کرنے سے پہلے کے بعض کیے گئے چکروں کو شمار کرے گا، اس کا حجر اسود سے (طواف) شروع کرنا ضروری نہیں ہے، اور یہی اہل علم کے دو قولوں میں سے راجح قول ہے، کیونکہ یہ ایسا انقطاع ہے جو معفو عنہ ہے، اوراس چکّر کے شروع کے باطل ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

لیکن جب طواف میں ہوا وغیرہ خارج ہونے کی وجہ سے اس کا وضوٹوٹ جائے اور طہارت کے لئے جانے کا ارادہ کرے توجب واپس ہو تو۔اہل علم کے دو قولوں میں سے راجح قول کے مطابق نماز پر قیاس کرتے ہوئے نئے سرے سے اس کی ابتدا سے ہی طواف کرے گا، اس لیے کہ طواف منجملہ نماز کے جنس سے ہے، جیسا کہ شیخ ابن باز۔رحمہ اللہ۔نے اس کا فتویٰ دیا ہے(فتاوی17/ 216)

حاملہ عورت اور سوار شخص کا طواف:

بسا اوقات انسان اپنے ساتھ کسی محرِم بچے کو لاد کر طواف کرتا ہے تو سوار کرنے والے اور سوار ہونے والے شخص کی طرف سے طواف واقع ہوتا ہے، اور سوار کرنے والے شخص کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنا طواف مستقل طور پر کرے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے صحیح نیت کے ساتھ طواف کیا ہے، اور ان پر بیت اللہ کا طواف کرنا صادق آتا ہے، اور اگر بچہ تمییز رکھتا ہے تو وہ خود طواف کی نیت کرے، اور اگر وہ غیر ممیّز ہے تو اس کا ولی اس کی طرف سے نیت کرے، اور یہی راجح ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور اس کی تائید ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں خشعمیہ عورت کے قصہ کا ذکر ہے، اور اس کے اندر اس بات کا تذکرہ ہے کہ: ایک عورت نے

اپنے بچہ کو اٹھا کر کہا: کیا اس کی طرف سے حج ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، اور اس کا ثواب تم کو ہے (یعنی ماں باپ کو)"۔(صحیح مسلم:1336)

وجہ دلالت یہ ہے کہ: نبی ﷺ نے عورت کو بچہ کے حج کے صحیح ہونے کی خبر دی، اور اسے مستقل طور سے طواف کرنے کا حکم نہیں دیا، جبکہ یہ مقام، مقامِ بیان تھا اور وقتِ حاجت سے بیان کو موؔخر کرنا جائز نہیں ہے، تو جب آپ ﷺ نے اسے (مستقل طور پر طواف کا) حکم نہیں دیا تو یہ چیز اس بات پر دال ہے کہ اس عورت کا اس کو سوار کرکے اس کے ساتھ طواف کرنا جائز ہے، اور ان دونوں سے ایک ساتھ طواف کافی ہو گا۔

اور بعض علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ جب بچہ تمیز نہ رکھتا ہو تو اس کے سرپرست کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنا طواف

کرے پھر بچہ کی طرف سے طواف کرے، یا اس کو کسی معتمد آدمی کے سپرد کردے جو اس کے ساتھ طواف کرے، کیونکہ بچہ کی طرف سے کوئی نیت اور عمل نہیں پایا گیا، بلکہ نیت اس کے لادنے والے کی طرف سے پایا گیا، اور ایک شخص کا عمل دو نیّتوں سے دو شخصوں کے لئے کرنا صحیح نہیں ہے، اور اس حکم میں سعی کا حکم بھی طواف کے مانند اسی تفصیل کے مطابق ہو گا۔

اسی طرح اگر کوئی گاڑی کو چلائے (ڈھکیلے) جس پر بچہ ، یا بوڑھا، یا بیمار شخص سوار ہو تو وہ (طواف) اس سوار کی طرف سے اور گاڑی کو چلانے والے کی طرف سے کافی ہو گا۔ واللہ اعلم۔

مسجد حرام کا تحیّہ (استقبالیہ):

مسجد حرام کا تحیہ دیگر مساجد کی طرح عمومی دلائل کی وجہ سے دو رکعت نماز ہے ،اور یہ اس شخص کے حق میں ہے جو نماز کی انتظار، یا کسی ساتھی وغیرہ کے انتظار کے لئے داخل ہوا۔

لیکن جو شخص طواف کی غرض سے داخل ہوا، خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا یا نفلی طواف ہو، تو ایسا شخص طواف سے شروع کرے، اور یہی طواف کرنا اس کے حق میں تحیۃ المسجد ہو گا، اس کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ پہلے دو رکعت نماز پڑھے پھر طواف کرے۔ جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ سنت کے خلاف ہے، اس لئے کہ جب نبی ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو طواف سے شروع کیا، جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں ہے، کیونکہ مقصود عبادت کی جگہ کو عبادت سے

شروع کرنا ہے، اور طواف کی عبادت اس مقصود کو حاصل کردیتی ہے۔

سعی کو طواف پر مقدّم کرنا:

نبی ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے سنّت یہ ہے کہ طواف کو سعی پر مقدّم کیا جائے، چاہے حج میں ہو یا عمرہ میں، بلکہ جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ: سعی کا طواف پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے، لہذا جو اسے مقدم کرے گا اسکو طواف کے بعد دوبارہ سعی کرنا ہو گا۔

اس سلسلے میں ان کی دلیل نبی ﷺ کا فرمان: ''تم مجھ سے اپنے حج کے طریقہ کو سیکھ لو'' ہے، اور اسی بات کو ایک مسلمان کو اپنانا چاہئے، لیکن اگر کوئی شخص جہالت یا بھول کر طواف سے پہلے سعی کرلے، تو ان شاء اللہ اس کا سعی کرنا درست ہو گا، اور اس کو طواف کے بعد دوبارہ سعی کرنا ضروری نہ ہو گا، اور قدیم وجدید

دور سے بعض اہل علم اسی کے قائل ہیں، لیکن بعض نے اس کو بھول سے مقیّد کیا ہے نہ کہ جان بوجھ کر، اور بعض نے مطلق کہا ہے، اور کوئی تقیید نہیں کی ہے۔

اور اس سلسلہ میں اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: کہتے ہیں کہ: میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج کے لیے نکلا، لوگ آپ کے پاس آتے تھے جب کوئی کہتا: اے اللہ کے رسول! میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی یا میں نے ایک چیز کو مقدم کر دیا یا مؤخر کر دیا تو آپ ﷺ فرماتے: "کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں، حرج صرف اس پر ہے جس نے کسی مسلمان کی جان یا عزت و آبرو پامال کی اور وہ ظلم کرنے والا ہو، ایسا ہی شخص ہے جو حرج میں پڑ گیا اور ہلاک ہوا"۔(سنن ابوداود:۲۰۱۵)،اس کی سند صحیح ہے، جیسا کہ شیخ ابن باز اور

علامہ البانی رحمہا اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔اور (اقترض) کے معنی اقتطع کے ہیں،اور اس سے مراد: عزّت وآبرو پامال کرنا ہے۔

اور یہ عام ہے عمرہ کی سعی میں اور حج کی سعی میں، لیکن بعض ائمہ نے لفظ (سعیتُ قبلَ اَنْ اَطوفَ) کے لفظ پر طعن کیا ہے، جیسا کہ حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے (سنن کبریٰ: 5/146) میں کہا ہے کہ: یہ لفظ (سعیتُ قبلَ اَنْ اَطوفَ) غریب ہے، جریر اس لفظ کے ساتھ شیبانی سے تفرّد اختیار کئے ہیں، پس اگر محفوظ ہے تو گویا انہوں نے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا تھا جس نے طواف قدوم کے بعد طواف افاضہ سے قبل سعی کیا تھا، تو فرمایا: ''کوئی حرج نہیں''، واللہ اعلم)۔ اوراس سلسلہ میں ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد: (۲/۲۵۹) میں امام بیہقی کی متابعت

کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''آپ ﷺ کا فرمان: (سعیتُ قبلَ أنْ أطوفَ) اس حدیث میں محفوظ نہیں ہے، بلکہ محفوظ: ''رمی اور قربانی اور حلق میں سے بعض کا بعض پر مقدم ہونا ہے''۔

اسی لئے احوط و محفوظ طریقہ یہی ہے کہ سعی کو مقدم نہ کیا جائے، لیکن جس نے جہالت یا بھول کر اس کو پہلے کر لیا پھر طواف کیا تو امید ہے کہ یہ اس سے کافی ہو گا، اور اگر اپنے لئے احتیاط کا دامن اختیار کرے اور علماء کے اختلافات سے نکل کر طواف کے بعد دوبارہ سعی کر لے تو یہ زیادہ کامل اور بہتر ہے، کیونکہ حدیث جیسا کہ آپ نے دیکھا متکلم فیہ ہے، اور علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

غروبِ شمس تک عرفہ میں باقی رہنا واجب ہے:

جمہور اہل علم اس بات کی طرف گئے ہیں کہ دن کے وقت عرفہ میں وقوف کرنے والے کیلئے غروب شمس تک عرفہ میں باقی رہنا حج کے واجبات میں سے ایک واجب ہے، لہٰذا جو شخص غروب سے پہلے نکلے گا تو وہ واجب کو ترک کرنے والا ہو گا، اور اس کا حج صحیح ہو گا۔ اور واجب دن اور رات کے کچھ حصّہ کو جمع کرنے کا نام ہے، اور یہ درج ذیل اسباب کی بنا پر ہے:

۱۔ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اسی طرح (دن ورات کا کچھ حصہ) وقوف فرمایا ہے، اور فرمایا: ''تم مجھ سے اپنے مناسک (طریقۂ حج) کو سیکھ لو''، اور چونکہ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عرفہ میں غروب کے بعد تک ٹھہرے پھر وہاں سے کوچ کئے، اس سے اس کے وجوب کی دلیل کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ دن کے وقت کوچ کرنا زیادہ آسان تھا،

خاص کر اس زمانہ میں جب لوگ اونٹ سے اور پیدل چلا کرتے تھے، اس کے باوجود غروب کے بعد ہی (عرفہ سے) کوچ کئے۔

۲۔ رسول ﷺ عرفہ سے مغرب کی نمازادا کئے بغیر نکلے، حالانکہ مغرب کا وقت داخل ہو چکا تھا، پس اگر غروب سے پہلے (عرفہ سے) نکلنا جائز ہوتا تو آپ ﷺ (پہلے ہی) روانہ ہوتے، اور مغرب کی نماز مزدلفہ میں جا کر اس کے اوّل وقت میں ادا کرتے[3]۔

اور عروہ بن مضرّس کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو ہمارے ساتھ اس نماز فجر میں حاضر رہا، اور ہمارے ساتھ (مزدلفہ سے روانہ ہونے تک) وہاں باقی رہا، اور اس سے

([3]) دیکھیں: (الشرح الممتع: 7/418)

پہلے رات یا دن کو عرفہ میں ٹھہر چکا ہو تو اس کا حج پورا ہو گیا، اوراس نے اپنا میل کچیل دور کر لیا"۔

(ابو داود:۱۹۵۰، نسائی:۵/ ۲۶۳، ترمذی:۸۹۱، ابن ماجہ:۳۰۱۶ ،احمد:۲۶/ ۱۴۲، اور ترمذی نے فرمایا: کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

اس سے وہ لوگ دلیل پکڑتے ہیں جو عرفہ سے غروبِ شمس سے پہلے نکلنے کو جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان (أو نھاراً) یا دن کے حصہ میں وقوف کیا ہو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص دن کو وقوف کرے اور غروب سے پہلے نکل جائے تو اس کا حج پورا ہو گا، اور لفظ تمام کی تعبیر سے ظاہری طور پر (غروبِ شمس سے پہلے نکلنے) کے جواز کا پتہ چلتا ہے،

اور اسے کوئی دمِ نقصان نہیں دینا ہو گا، اور یہ استدلال واضح ہے، لیکن یہ نبی ﷺ کے فعل اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے نیک خلفاء کے فعل سے متصادم ہے، کیونکہ وہ لوگ غروب شمس کے بعد ہی عرفہ سے کوچ کئے تھے، تو اس سے مطلق حدیث کی تقیید ہو گئی۔

مزدلفہ سے چاند کے غائب ہونے کے بعد لوٹنا:

سنّت سے اس بات کی دلیل ملتی ہے کمزور عورتوں، بچوں اور ان کے ہمراہ لوگوں کا چاند کے غائب ہونے کے بعد مزدلفہ سے منیٰ کی طرف واپس ہونا جائز ہے، جیسا کہ ابن عباس، ابن عمر اور اسماء رضی اللہ عنہم کی حدیث میں ہے، جو کہ صحیحین میں ہے، اسی طرح دیگر حدیثیں بھی ہیں۔

لہذا جب وہ لوگ منیٰ آئیں تو جمرۂ عقبیٰ کو کنکری ماریں، اور حلق کریں اور بیت اللہ کا طواف کریں۔

رہی بات طاقت ور لوگوں کی تو طلوع شمس سے پہلے ان کا کنکری مارنا جائز نہیں، کیونکہ طلوعِ شمس سے پہلے کنکری مارنے کی وارد تمام حدیثیں کمزوروں کے سلسلے میں ہیں، ان میں سے کوئی بھی طاقتور مردوں کے بارے میں نہیں ہے۔

لیکن جو شخص کمزوروں کے ماتحت ہے تو اس کا بھی انہیں جیسا حکم ہے، جیسا کہ ظاہری دلیلوں سے پتہ چلتا ہے۔ اور رہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں وہ کہتے ہیں کہ: ہم سے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''جمرہ کی رمی مت کرو یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔ اسے احمد اور اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے، تو اس کی سند ضعیف ہے، اور اسے امام بخاری رحمہ اللہ

نے اپنی کتاب (التاریخ الصغیر ص:۱۳۵) میں ضعیف قرار دیا ہے، اور اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے۔ جیسا کہ امام ترمذی اور ابن حبان رحمہا اللہ کا خیال ہے۔ تو یہ مندوب و مستحب ہونے پر محمول ہو گا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (فتح الباری:۳/۵۲۹) میں اس سے باخبر کیا ہے، واللہ اعلم۔

اور دلیلوں سے مستفاد یہ آسانی اس زمانہ کے لحاظ سے بہت مناسب ہے، اس لیے کہ تابع شخص جب کمزوروں کے ساتھ جاتا ہے جیسے: عورتوں کو جمرۂ عقبہ لے کر جاتا ہے اور وہ کنکری مارتی ہیں، اور پھر وہ اپنی کنکری نہیں مارتا، اسی طرح انہیں طواف کرانے کیلئے بیت اللہ جائے تو وہ بذات خود کب کنکری مارے گا؟ اور پھر آخری رات میں عورتوں کو سخت ازدحام میں رمی کروانے پر اس کا کیا حال ہو گا؟ اور پھر طلوع شمس کے بعد

ازدحام میں جاکر اپنی طرف سے رمی کرنے پر اس کا کیا حال ہو گا؟۔

دس ذوالحجہ (یوم نحر) کے اعمال اور ان کی ترتیب:

یوم نحر کو کیئے جانے والے چار اعمال ہیں: ا۔جمرۂ عقبہ کو کنکری مارنا، ۲۔ ہدی (حج کی قربانی) کرنا۔ اور یہ اس شخص کے لیے ہے جو حج تمتع یا حج قران کا احرام باندھا ہو۔ ۳۔ حلق کرانا(بال منڈوانا) (یا تقصیر کروانا) 4۔طواف افاضہ(زیارہ) کرنا۔ اور تحلّل اوّل کے سلسلہ میں زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ: رمی اور حلق کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے، اور تحلّل میں ہدی کا کوئی اثر نہیں ہوتا، لیکن قارن شخص کے لئے زیادہ بہتر ہے کہ وہ نبی ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے قربانی کرنے تک حلال نہ ہو۔

اور حاجی کے لئے بہتر ہے کہ ان اعمال کو ترتیب سے انجام دے، جیسا کہ نبی ﷺ نے کیا تھا اس طرح کہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے رمی کیا، پھر قربانی دی، پھر حلق کروایا، پھر بیت اللہ طواف کیا تھا۔ اور ان میں سے بعض کو بعض پر جان بوجھ کر مقدّم نہ کرے، الّا یہ کہ وہ بھول گیا ہو یا نہ جانتا ہو،۔جیسا کہ سنت سے اس کی دلیل ملتی ہے اور یہ محل اجماع ہے۔ رہی بات عامد (جان بوجھ کر کرنے والے) کی تو یہ اہل علم کے ہاں اختلافی مسئلہ ہے، اسی لئے مکلف کے لئے زیادہ احوط و بہتر یہی ہے کہ وہ جب بغیر کسی مشقت کے ترتیب پر قادر ہو تو کسی چیز کو جان بوجھ کر مقدّم نہ کرے، بلکہ اسے نبی ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے، اور علماء کے اختلافات سے باہر نکل کر ترتیب سے کرنا چاہیئے۔ اگرچہ میرا میلان اس بات کی طرف ہے کہ یہ حکم عام

ہے ،اس میں جاہل اور غیر جاہل سب شامل ہیں، لیکن لوگوں میں سے کچھ لوگ نبی ﷺ کی ترتیب کی معمولی سبب یا بلا سبب کے مخالفت کرتے ہیں، اور یہ ان کے لئے زیب نہیں دیتا، اس لئے کہ ترتیب ہی اصل ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے مناسک (حج وعمرہ) کو امّت کے سامنے کیا ،اور فرمایا: "(لوگو!) تم مجھ سے طریقۂ حج سیکھ لو"۔

ہدی کے نحر کرنے کی جگہ:

جمہور اہل علم اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ہدی کی قربانی حرم (مکہ ،یا منیٰ، یا مزدلفہ) میں ضروری ہے، چاہے نفلی ہدی ہو، یا ہدی تمتع ہو، یا قران ہو، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: "پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ بیتِ عتیق (خانہ کعبہ) ہے"۔[سورہ حج:۳۳]، اور اس سے مراد پورا حرم ہے، جیسا کہ

مفسرین کرام نے بیان کیا ہے۔اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:”میں نے تو یہاں (منیٰ) میں نحر کیا ہے اور پورا منیٰ قربان گاہ ہے“۔

اسے امام مسلم :جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث (نمبر:149، ۱۲۱۸) کے تحت لائے ہیں، اور ابو داود (۱۹۳۷)، ابن ماجہ (3048)، اور احمد (۳۸۱/۲۲) کے یہاں یہ لفظ آیا ہے:”مکہ کے تمام راستے چلنے کی جگہیں ہیں اور ہر جگہ نحر درست ہے۔اور بیہقی (۲۳۹/۵) نے عطاء کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے:”اونٹ کے نحر کرنے کی جگہ مکہ ہے، لیکن یہ خون سے پاک کر دیا گیا ہے، اور منیٰ مکہ سے ہے“۔اور اس کی سند صحیح ہے۔اسی بنیاد پر عرفہ یا اس کے علاوہ حِل میں ہدی کی قربانی کرنا جائز نہیں، کیونکہ حدود حرم سے باہر

ہے،اس لئے اہل علم کی مشہور قول کے مطابق کفایت نہیں کرے گا، لیکن بعض لوگ اس سے غافل ہوتے ہیں،اس لئے اس سے متنبّہ ہونا چاہیے۔

رہی بات کسی محظور وممنوع کام کے ارتکاب جیسے: سر منڈوانے پر ہدی کرنا تواسے ممنوعہ کام کی جگہ پر کرنا جائز ہے،اور حرم میں بھی جائز ہے،اس لئے کہ جو چیز حل میں جائز ہے وہ حرم میں بھی جائز ہے سوائے شکار کے ،کیونکہ اس کا حرم میں ہونا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے:"اور جو شخص تم میں سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر فدیہ واجب ہوگا جو کہ مساوی ہوگا اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں خواہ وہ فدیہ

خاص چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچایا جائے"۔[سورہ مائدہ:۹۵]

اور رہا ہدی احصار (بیت اللہ تک پہنچنے سے رکاوٹ ہونے پر) تو اس کو احصار کی جگہ ہی ذبح کرے گا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ [البقرة/196] "ہاں اگر تم روک لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو، اسے کرڈالو"۔[سورہ بقرہ:۱۹۶] لیکن اگر اسے حرم کے مسکینوں تک پہنچانا چاہے تو جیسا کہ گذر چکا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، واللہ اعلم۔

ہدی (حج میں قربان کیا جانے والا جانور) کے گوشت کی تقسیم کی جگہ:

ہدی کے گوشت کو حدود حرم کے اندر تقسیم کیا جائے گا، پھر اگر ہدی تمتع، یا قران، یا نفل ہو تو اس کے لئے اس میں سے کھانا

،ہدیہ دینا اور حرم کے مسکینوں پر تقسیم کرنا جائز ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے ہدی کے گوشت سے کھایا تھا، جیسا کہ صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، اور اس لئے کہ یہ دم نسک ہے تو اس اعتبار سے یہ اضاحی کے درجہ میں ہے، اور اگر اس (گوشت) میں سے عالم اسلام کے فقیروں ومحتاجوں کے پاس بھجوائے تو یہ قابل شکر عمل اور بہترین کاوش ہے۔

اور اگر یہ دم کسی واجب کے ترک کی بنا پر ہے۔ تو ایک قول کے مطابق۔ اس کے تمام گوشت کو حرم کے مسکینوں پر تقسیم کر دے گا، اور اس میں سے کچھ بھی نہیں کھائے گا۔

حلق یا تقصیر: (بال منڈوانا یا پورے سر کے بال کو چھوٹا) کرانا:

حلق یا تقصیر حج وعمرہ کے نسک میں سے ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کے کرنے والے کے حق میں اپنے اس قول کے ذریعہ

مغفرت کی دعا فرمائی ہے: 'اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور کتروانے والوں کے لیے بھی (یہی دعا فرمایئے) لیکن نبی کریم ﷺ نے اس مرتبہ بھی یہی فرمایا اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت کر۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور کتروانے والوں کی بھی! تیسری مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور کتروانے والوں کی بھی مغفرت فرما"۔(صحیح بخاری:۱۷۲۸، صحیح مسلم:۱۳۰۲ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں :"رحمت کی دعا کا ذکر ہے"۔(صحیح بخاری:۱۷۲۷، صحیح مسلم:۱۳۰۱)

حلق: استرہ وغیرہ سے پورے سر کا بال ختم کروانا۔

تقصیر: قینچی یا دیگر معروف اوزار سے سر کے تمام اطراف سے بال کو چھوٹا کروانا۔

اور حلق کروانا قارن، مفرد اور صرف عمرہ کرنے والے کے حق میں افضل ہے، اوراس سے صرف وہی متمتع شخص مستثنیٰ ہو گا جو مکہ بہت آخر میں آیا ہو اس طور سے کہ حج سے پہلے اس کے بال اگنے کی امید نہ ہو، تو یہ تقصیر کرانا اس کے حق میں افضل ہو گا، جیسا کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے صحابہ کو اس کو کرنے کا حکم دیا تھا، تاکہ عمرہ میں تقصیر کروانے اور حج میں حلق کروانے کے درمیان جمع ہو جائے، اوراگر وہ لوگ اُس وقت عمرہ میں حلق کروالیتے تو حج میں حلق کروانے کیلئے سر میں کوئی بال نہ بچتا، اوران (اوپر ذکر کردہ امور) کے علاوہ میں حلق کروانا افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں حلق کو

مقدّم کیا ہے: ”سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے“[سورہ فتح:۲۷] اوراس لئے کہ یہ نبی ﷺ کا فعل ہے، جیسا کہ مسلمؒ(1305،1304)نے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے، اور جو عمل آپ ﷺ کے فعل کے زیادہ موافق ہو تو وہ زیادہ افضل ہے، اوراس لئے کہ نبی ﷺ نے سر منڈوانے والوں کے لئے مغفرت ورحمت کی دعا فرمائی ہے، اور تقصیر کروانے والوں کے لئے صرف ایک بار دعا کی ہے۔ جیسا کہ گذر چکا۔، اور اس لئے بھی کہ یہ (حلق کروانا) اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی تعظیم میں زیادہ کامل ہے۔

لیکن بہت سارے لوگوں کو دیکھا گیا ہے اور خاص کونوجوان (طبقہ) کہ یہ لوگ سر کے بال کو نہیں منڈواتے، بلکہ تقصیر پر ہی اکتفا کرتے ہیں، اوراس کا اظہار، گرمی یا رمضان کی چھٹی میں

-واضح طور پر عمرہ کے اندر پایا جاتا ہے۔اوراس میں افضل عمل کے انجام دینے سے بے رغبتی پائی جاتی ہے، اور بال کے ساتھ بخل سے کام لیا جاتا ہے،اور جب نسک کے اندر مال وجان کے ساتھ بخل[4] کرنا مکروہ ہے، تو بال کے ساتھ یہ کیسے (درست)ہو گا؟!

تقصیر کی مقدار:

اہل علم کے درمیان سر کے بال کی تقصیر(چھوٹا کرانے) کے مقدار کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن سب سے درست قول۔واللہ اعلم۔یہی ہے کہ سر کے تمام بال کو چھوٹا کرانا ضروری ہے،اس طور سے کہ پورے سر کے ظاہر کی

(4) الضَنُّ کے معنی بخل کے ہیں، کہا جاتا ہے: ضَنَّ بالشئ یَضَنُّ کسی کے ساتھ بخل کرنا، اور یہ تعب بخل کے باب سے ہے۔

(تقصیر) ہو،اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ہر بال کو بعینہ لے،اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:"سر منڈواتے ہوئے"[سورہ فتح:۲۷] اور سر کی طرف مضاف فعل پورے سر کو شامل ہے، اور جس شخص نے بعض سر کی تقصیر کروائی تو نہیں کہا جائے گا کہ:اس نے اپنے سر کی تقصیر کرائی، بلکہ اس نے بعض سر کا بال کٹوایا، اوراس لئے کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے ان اصحاب کو جو ہدی نہیں لائے تھے طواف وسعی سے فارغ ہونے کے بعد انہیں تقصیر کروانے کا حکم دیا تھا، اور ظاہر یہی ہے کہ تمام سر کی تقصیر تھی، کیونکہ لفظ کا ظاہر اسی طرف جاتا ہے، اور اس لئے کہ تقصیر حلق کے قائم مقام ہے، اور حلق تمام سر کا ہوتا ہے، اسی طرح تقصیر بھی پورے سر کی ہونی چاہیئے۔

سات کنکریاں مارنا ضروری ہے:

جمہور علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ رمی کی صحت کی شرطوں میں سے سات کنکریاں مارنا شرط ہے، پس اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوا تو رمی صحیح نہیں ہو گا، بلکہ دوبارہ اس کمی کو پورا کرنا ہو گا،اس لئے کہ نبی ﷺ نے تمام جمرہ کو سات کنکریاں ماری تھیں، جیسا کہ جابر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے نقل کیا ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھ سے اپنے حج کے طریقہ کو سیکھ لو"۔اس لئے اس چیز میں نبی ﷺ کی اقتدا کرنا ضروری ہے، اور یہ بات معروف نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کسی کو سات سے کم (کنکری) مارنے کی اجازت دی ہو۔

اورامام نسائیؒ(۵/۲۷۵)وغیرہ نے جو مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ:سعد رضی اللہ عنہ نے کہا"ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں لوٹے۔تو ہم میں سے کوئی کہتا تھا:ہم نے سات کنکریاں ماریں اور کوئی کہتا تھا:ہم نے چھ ماریں،توان میں سے کسی نے ایک دوسرے پر نکیر نہیں کی"۔تو یہ اثر منقطع ہے،کیونکہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے،جیسا کہ ابن قطان،اور طحاوی وغیرہما نے کہا ہے،اسے(الجوہر النقی: (5/149میں نقل کیا گیاہے،اور یہ ذکر کیا گیاہے کہ سات کنکریوں کے وجوب کے بارے میں دلائل بھرے پڑے ہیں،اور یہ ثابت نہیں ہے کہ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صحابہ کواس(یعنی کم کنکریاں مارنے) پر باقی رکھا،اور نص کے ہوتے ہوئے کوئی اجتہاد نہیں

جمرات کی کنکری چننے کی جگہ:

جمرات کی کنکری چننے کی کوئی خاص جگہ نہیں ہے، بلکہ کسی بھی جگہ مزدلفہ، یا منیٰ، یا راستہ سے لیا جاسکتا ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کی کوئی تحدید نہیں فرمائی ہے، اسی لئے سنت کا یہ طریقہ نہیں کہ حاجی شخص مزدلفہ میں رات کو پہنچتے ہی جمرۂ عقبہ یا ایامِ تشریق کے جمرات کے لئے کنکری چننے میں مشغول ہو جائے، جیسا کہ بعض حجاج کرتے ہیں۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما [اور ایک روایت میں فضل ابن عباس ہے] کی حدیث میں ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے عقبہ کی صبح جب کہ آپ اپنی سواری پر تھے مجھ سے فرمایا: (هاتِ الْقُطْ لي... الحديث) "میرے لئے (چھوٹی چھوٹی) کنکریاں چن

لاؤ... الحدیث" (احمد: ۳/ ۳۵۰، نسائی: ۵/ ۱۹۷، ابن ماجہ: ۳۰۲۹، اور اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے)۔

حدیث کے اندر مکان کی کوئی تحدید نہیں ہے، اگر چہ ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے مزدلفہ سے چنا تھا، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان (غداۃ العقبۃ) اس بات پر دال ہے کہ یہ دن کے ابتدائی حصہ میں تھا، اور آپ ﷺ دن کی ابتدا میں مزدلفہ میں تھے، لیکن اس میں (مزدلفہ) کی صراحت نہیں ہے، بلکہ احتمال ہے کہ انہوں نے جمرہ کے پاس منیٰ سے لیا ہو، کیونکہ آپ ﷺ کے بارے میں یہ مذکور نہیں کہ مزدلفہ سے چلنے کے بعد منیٰ تک کہیں رکے ہوں، اور اس لئے کہ یہی اس کی ضرورت کا وقت تھا، مگر آپ ﷺ نے اس سے پہلے کوئی فائدہ نہ ہونے اور اس کے اٹھانے کی تکلیف کی وجہ سے اس کے چننے کا حکم نہیں

دیا، اور پہلے معنیٰ کو ہی فرض کرلیا جائے تب بھی یہ تمام جمرات کے لئے عام نہیں ہے، بلکہ یہ جمرۂ عقبہ کے لئے خاص ہے، اور مقصود یہی ہے کہ جمرات کی کنکری کسی بھی جگہ سے چُنی جاسکتی ہے، واللہ اعلم۔

کنکری کی تعداد میں شک کا حکم:

ایامِ تشریق میں تینوں جمرات میں سے ہر جمرہ کو سات کنکری مارنا واجب ہے، اور جو شخص کنکری مارنے میں ایک یا اس سے زیادہ کی کمی کردے تو واپس ہو کر اس کمی کو پورا کرے۔

اور جس سے ایک یا اس سے زیادہ کنکری رمی سے پہلے کم ہو جائے تو حوض کے پاس موجود کنکری کو لے کر مار دے، گرچہ اس کنکری کو استعمال کیا جا چکا ہو، اور اس مسئلہ میں یہی بات درست ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواز کی

صراحت کی ہے، کیونکہ منع کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور اس لئے کہ یہ ایک پتھر ہے جس میں سے کسی چیز کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، اور اس کو دوبارہ مارنا جائز ہے، اور وہ معنیٰ جس کی وجہ سے رمی مشروع کیا گیا ہے اس کے اندر موجود ہے، ساتھ ہی اس میں لوگوں کے لئے آسانی ہے، کیونکہ انسان سے بسا اوقات حوض پر کوئی کنکری گر جاتی ہے، تو اسے یہ حکم دینا کہ جاکر دور سے اسے لے کر آئے، اور پھر دوبارہ رمی کے لئے داخل ہو۔ ساتھ ہی بھیڑ ہو۔ تو یہ مشقّت سے خالی نہیں ہے۔

اور جو شخص کنکری کی تعداد میں شک کرے، تو فقہاء کا قاعدہ ہے کہ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد شک کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، اس کے باوجود اگر وہ جمرہ کے پاس ہے تو احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ شک کو یقین کے ذریعہ زائل

کر دے، پس اگر وہ اپنی قیام گاہ واپس ہو گیا تو اس (شک) کی طرف توجہ نہ کرے، واللہ اعلم۔

رمی جمار کے لیے وکیل بنانے کا حکم:

اصل یہی ہے کہ حاجی بذات خود کنکری مارے، چاہے وہ آدمی ہو یا عورت، اور کسی کو اپنی طرف سے رمی کے لئے وکیل نہ بنائے، خواہ فرض حج ہو یا نفل، کیونکہ رمی کرنا مناسک حج کے نسک اور اس کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے، اس لئے اسے خود کرنا ضروری ہے، لیکن اگر کوئی عذر ہو جیسے : بیماری، بڑھاپا، بچپنا ہو، یا ایسی عورت ہو جس کے ساتھ بچے ہوں، اوراس کے پاس اس کی کوئی حفاظت کرنے والا نہیں ہو، اوراس طرح دیگر اسباب جس کی وجہ سے رمی کرنا آسان نہ ہو، تواس کی طرف سے رمی کرنے کے لئے نائب بنانا جائز

ہے، خواہ موکّل نے کنکری کو چنا ہو اور اسے وکیل کے حوالے کر دیا ہو، یا وکیل نے خود ہی اسے چنا ہو۔

لیکن قدرت رہنے پر اس نسک میں تساہل کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک عبادت ہے، اور مکلفّ سے اس بات کا مطالبہ ہے کہ وہ اسے خود انجام دے۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وکیل شخص پہلے اپنی طرف سے رمی کرے، پھر ایک ہی جگہ میں اپنے موکّل کی طرف سے نیت کرے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے تمام جمرے کو مارے، پھر دوبارہ واپس ہو کر اپنے موکّل کی طرف سے مارے، کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اس لئے کہ اس میں مشقّت ہے، اور خاص کر اس زمانہ میں، اور یہ تعاون و مدد کے کم ہونے کا سبب بنے گا، اور اس سے لوگ اس شخص کی جانب

سے رمی کرنے سے رک جائیں گے جس کو استنابت کی ضرورت ہے۔

اور ۔واللہ اعلم۔زیادہ ظاہر یہی ہے کہ جب موکّل کا عذر ختم ہو جائے، جیسے مرض سے شفا پا جائے، اور رمی کے کچھ ایام باقی ہوں، تو ان تمام کی رمی (خود) کرے گا جو اس کی طرف سے کیا گیا ہے، کیونکہ توکیل بنا ناضرورت کے طور پر مباح ہوئی تھی، اور جب عذر ختم ہو گیا اور وقت باقی ہے، تو اس کو خود سے عبادت کو کرنا ضروری ہے۔

رات کے وقت رمی کرنا:

نبی ﷺ نے یوم نحر (دس ذی الحجہ) کے دن چاشت کے وقت جمرۂ عقبہ کو کنکری مارا تھا، اور اس کے بعد ایام تشریق میں زوال کے بعد رمی کیا، اور فرمایا: ”مجھ سے اپنے مناسک کو سیکھ لو“۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایام تشریق میں غروب شمس تک رمی کرنا جائز ہے، اسی طرح جمرۂ عقبہ کی رمی راجح قول کے مطابق یومِ عید کو غروب شمس تک رہتا ہے۔

البتہ اختلاف اس دن کی رات کو رمی کرنے میں ہے جس دن سورج غائب ہوجائے،اورراجح قول جواز کا ہے، کیونکہ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے فعل کے ذریعہاوّل وقت کی رمی کی تحدید کی ہے، اور اس کے آخر کی تحدید نہیں کی ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: "نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے چرواہوں کے لئے رات کو رمی کرنے کی رخصت دی ہے"۔(مسند البزّار بحوالہ مختصر زوائدہ:۷۸۲، بیہقی:۵/۱۵۱) اور حافظ ابن حجر نے (التلخیص:۲/۲۸۲)میں اسے حسن قرار دیا ہے، اورابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس کی شاہد ہے، جسے طحاوی نے (شرح

معانی الآثار: ۲/ ۲۲۱)، اور طبری نے (تہذیب الآثار: ۱/ ۲۲۲) میں روایت کیا ہے۔

اور مؤطا (1 / 409) میں امام مالکؒ سے روایت ہے وہ ابو بکر بن نافع سے روایت کرتے ہیں، ان سے ان کے والد نے روایت کیا ہے کہ: ''صفیہ بنت ابی عبید کی بھتیجی مزدلفہ میں حیض سے ہو گئی، تو وہ اور صفیہ پیچھے رہ گئیں یہاں تک کہ میرے پاس یوم نحر کو غروب شمس کے بعد تشریف لائیں، پس عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کی تشریف لانے پر جمرہ کو مارنے کا حکم دیا، اور ان پر کوئی حرج نہیں سمجھا، اور اس کی سند صحیح ہے''۔

اور مصنف ابن ابی شیبہ (4 / 30) میں عبد الرحمن بن سابط سے مروی ہے کہ: ''رسول ﷺ کے اصحاب حج کو تشریف لاتے

،اور اپنی سواری چھوڑ دیتے،اور رات کو تشریف لاتے اور رمی کرتے"۔اس کی سند صحیح ہے۔

اس لئے کہ دن میں رمی کا وقت ہے، اور رات اس میں اس کے تابع ہے، جیسے نحر کی رات طلوع فجر تک وقوف کے صحیح ہونے میں یوم عرفہ کے تابع ہے۔

پس جس پر دن کو رمی کرنا شاق گذرے جیسے عورت ، ناقص الخلقت ،اور سن رسیدہ شخص تو ان کے لئے رات میں رمی کرنا جائزہے،اسی طرح جس کے لئے رات میں رمی کرنا زیادہ آسان اور اطمنان بخش ہے تو وہ رات میں رمی کرے، بلکہ میں اس بات کی تاکید کرتا ہوں کہ جس کے ساتھ عورت ہو تو وہ صرف رات میں ہی رمی کرے،اور خاص کر گیارہویں کو سخت ازدحام کی وجہ سے، رہی بات بارہویں دن کی اور یہی نفراوّل (منیٰ سے

روانگی کا پہلا دن) ہے تو غروب سے کچھ پہلے بغیر مشقت کے رمی کرنا ممکن ہے حتیٰ کہ عورت کے لئے بھی، اور خاص کر جلدی کرنے والے شخص کے لئے تاکہ منیٰ سے غروب شمس سے پہلے نکل سکے۔

منیٰ میں رات گذارنا:

گیارہویں کی رات، اور بارہویں کی رات -اسی طرح جلدی نہ کرنے والے کے لئے تیرہویں راتمنیٰ میں گذارنا حج کے واجبات میں سے ایک واجب ہے، کیونکہ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے منیٰ میں رات گذارا ہے، اور فرمایا: ”لوگو تم مجھ سے اپنے مناسک (طریقۂ حج) کو سیکھ لو“۔ اور اس لئے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے پانی پلانے والوں، چرواہوں کے لئے منیٰ کی رات نہ گذارنے کی رخصت دی ہے، اور رخصت کی تعبیر بغیر

عذر والوں کے لئے مبیت (رات گزارنا) کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

اور جو شخص کوشش کرے، اور مبیت کے لئے مناسب جگہ نہ پائے تو اس سے مبیت ساقط ہو جائے گا، اور اس کے لئے منیٰ کے باہر مبیت کرنا جائز ہو گا، اور اس پر کچھ بھی نہیں ہو گا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: ”پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو“۔[سورہ تغابن:16] اور اللہ کا فرمان: ”اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا “۔[سورہ بقرہ:286]۔ اور نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا فرمان ہے: ”جب میں تمہیں کسی بات کے کرنے کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے تم اسے بجالاؤ“۔(بخاری:۷۲۸۸، مسلم:۱۳۳۷)

لیکن اس میں سڑکوں پر، یالوگوں کے راستوں میں فٹ پاتھوں پر اور گاڑیوں میں رات گذارنا شامل نہیں ہے، کیونکہ اس میں بہت بڑا نقصان اور بہت زیادہ خطرہ ہے جس کی شریعت میں کوئی مثال نہیں۔ اور خاص کر ایسے مناسکِ حج میں جو مکلفینکی آسانی وسہولت پر مبنی ہے، اوراس سے بڑھ کر یہ کہ سڑکوں یا فٹ پاتھوں پر عورتوں کے ساتھ رات گذارے، تواس میں اوراس سے ما قبل صورت میں اس سے مبیت ساقط ہو جائے گا، کیونکہ اس میں ضرر پایا جارہاہے، اس لئے کہ اگر عورت بیٹھی ہی رہے تواس میں مشقت ہے، اوراگر سوئی رہے تولوگوں کے راستوں میں سونا ادب کے خلاف ہے، اور کبھی کبھار اس کی بدن کا بعض حصّہ ظاہر ہو جاتا ہے اوراس کا اسے احساس تک نہیں ہوتا، اور جو ایسا کرتا ہے تو یہ واجب کی ادائیگی میں حرص کی بنا پر کرتا

ہے، اور یہ امر مناسک میں مطلوب ہے، لیکن جب عذر پایا جائے گا تو واجب ساقط ہو جائے گا، واللہ اعلم۔

زوال سے پہلے رمی کرنے کا حکم:

ایّام تشریق میں زوال سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے زوال کے بعد رمی کیا تھا، اور فرمایا تھا: "تم مجھ سے اپنے مناسک کو سیکھ لو"۔ تو رمی کرنا بھی اس عموم میں داخل ہو گا۔

اور نبی ﷺ نے یوم نحر کو چاشت کے وقت اور ایام تشریق میں زوال کے بعد رمی کیا تھا، جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے اس کو بیان کیا ہے۔ تو یہ حکم کے اختلاف پر دلالت کرتا ہے، پھر اگر زوال سے پہلے رمی کرنا جائز ہوتا تو نبی ﷺ اسے کرتے، کیونکہ اس میں عبادت کو اس کے اولِ وقت میں کرنے کی مبادرت پائی

جاتی ہے، اور اس لئے کہ اس میں لوگوں کے لئے آسانی ہے، اور رمی کے وقت کو طول دینا ہے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: ”ہم (زوال کے وقت کا) انتظار کرتے رہتے تھے، پس جب سورج ڈھل جاتا تو ہم کنکریاں مارتے“ (بخاری:1746)

اور یہی جمہور اہل علم کا قول ہے، اور یہی اس مسئلہ میں راجح ہے۔ ان شاء اللہ۔ لہذا جس نے زوال سے قبل کنکری مارا تو اس کو لوٹانا ضروری ہوگا، کیونکہ اس نے رمی کے وقت داخل ہونے سے پہلے مارا، اور اس سلسلے میں بارہویں تاریخ، جو کوچ کرنے کا پہلا دن ہے، یا اس کے علاوہ تشریق کے دنوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اگرچہ بعض علماء نے بارہویں دن جو نفر اول (منیٰ سے روانگی کا پہلا دن) ہے زوال سے پہلے کنکری

مارنے کو جائز قرار دیا ہے، اور اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے: فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِيۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ [البقرة/20 ''اور جو دو دن میں جلدی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے''۔[سورہ بقرہ:۲۰۳]، لیکن یہ چیز رسول ﷺ کے فعل کے مخالف ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

اللہ کا شکر ہے کہ رمی کے وقت میں کشادگی ہے۔ اور زوال سے پہلے رمی کو واجب کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، سوائے اس جلد بازی کے جس پر موجودہ زمانے کے اکثر لوگوں کا عمل ہے، واللہ المستعان۔

جو شخص بارہویں ذی الحجہ کو منیٰ سے نکلنے میں جلدی کرے لیکن سورج غروب ہو جائے:

جس شخص نے منیٰ سے نفرِ اوّل کے دن نکلنے میں جلدی کی، اور وہ بارہویں (ذی الحجہ) ہے جو کہ ایام تشریق کا (دوسرا دن ہے)، اس طور سے کہ وہ اپنا سامان لے کر غروبِ (شمس) سے پہلے گاڑی پر سوار ہوا، پھر گاڑیوں کی بھیڑ کی وجہ سے یا دیگر سبب کی بنا پر راستہ جام ہو گیا، تو ایسا شخص جلدی کرنے والا شمار ہو گا، اور اپنا سفر جاری رکھے گا، اور اس کو اس رات منیٰ میں مبیت (رات گزارنا) کرنا اور اس کی صبح کو کنکری مارنا لازم نہیں ہو گا، کیونکہ اس نے تعجّل کو اختیار کیا، اور اس کے لئے تیاری بھی کی، پھر بغیر اس کے اختیار کے روک دیا گیا، اسی طرح وہ شخص جو غروبِ شمس سے پہلے منیٰ سے نکلا، پھر وہ منیٰ کو کسی بھولی ضرورت وغیرہ کے سبب واپس ہوا، تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے سفر کو جاری رکھے، اور اس پر کوئی مبیت لازم نہیں ہو گا، لیکن

جس نے رمی کو غروب شمس کے بعد تک مؤخّر کر دیا تو اس پر مبیتِ منیٰ لازم ہو گا، کیونکہ اس پر تعجلّ کا وصف صادق نہیں آتا، واللہ اعلم۔

طواف افاضہ کا طواف وداع سے کفایت کرنا:

جب کوئی شخص طواف افاضہ یعنی طوافِ حج کو مؤخر کر دے، اور اسے مکہ سے نکلنے کے وقت کرے تو یہ طواف وداع سے کفایت کرے گا، لیکن نیّت طوافِ حج (افاضہ) کا کرے گا، کیونکہ یہ رکن ہے، اور طواف وداع واجب ہے، تو اعلیٰ ادنیٰ سے کافی ہو گا نہ کہ عکس، اور طواف افاضہ طواف وداع سے اس لئے کافی ہو گا ، کیونکہ اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ حاجی کی آخری عہد (کام) بیت اللہ کا (طواف) ہو، اور اس شخص نے اسے انجام (بھی) دیا

ہے، اور یہ دونوں عبادتیں ایک ہی جنس سے ہیں لہذا ان میں سے ایک دوسرے کے لئے کافی ہو گی۔

اور یہ مفرِد اور اس قارن کے بہ نسبت زیادہ واضح ہے جس نے طواف قدوم کے ساتھ حج کی سعی کی ہو، کیونکہ اس کے بعد اس پر طواف کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے، اور اس کا آخری عہد (کام) بیت اللہ (کا طواف) ہو گا۔

لیکن متمتع شخص جس نے طواف افاضہ کو مکہ سے نکلنے کے وقت تک مؤخر کر رکھا ہے تو اس پر اس کے بعد بھی سعی ہے، اور اس کا آخری عہد بیت اللہ کا (طواف) نہیں ہو گا، تو کیا اس کو بعد میں (طواف) وداع کی ضرورت ہے؟

زیادہ ظاہر یہی ہے کہ -واللہ اعلم- وہ سعی کے بعد وداع کی ضرورت نہیں رکھتا، کیونکہ سعی طواف کے تابع ہے، اس لئے طواف اور سعی سے نکلنے کے درمیان فصل کرنا کوئی نقصان نہیں دے گا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے(صحیح بخاری 3/612) میں باب باندھا ہے اور کہا ہے:"باب:(حج کے بعد) عمرہ کرنے والا عمرہ کا طواف کر کے مکہ سے چل دے تو طواف وداع کی ضرورت ہے یا نہیں ہے؟"۔ پھر انہوں نے حدیث عائشہ کو ذکر کیا ہے، اوراس میں ہے:"اپنی بہن کو حدودِ حرم سے باہر (تنعیم)لے جا تاکہ وہ وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ لیں، پھر طواف اور سعی کرو ہم تمہارا یہیں انتظار کریں گے"اور حدیث سے یہی ظاہر ہورہاہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو طوافِ وداع کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ (صحیح

بخاری:4 / 445)کی شرح میں کہتے ہیں:"علماء کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ معتمر شخص جب(حج کے بعد عمرہ کا) طواف کرے،اوراپنے ملک کی طرف چل دے تو یہ(طواف)اس کے طوافِ وداع کیلئے کافی گا، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا"۔اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے اسے فتح الباری میں نقل کیاہے،اوراس کا اقرار کیاہے۔

لیکن اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح بخاری حدیث نمبر(1560) میں مروی دوسری حدیث سے اشکال ہورہاہے جس میں وہ فرماتی ہیں جب رسول ﷺ نے ان کے بھائی کو انہیں عمرہ کرانے کیلئے بھیجا:(فَخَرَجْنَا حَتَّى إِذَا فَرَغْتُ وَفَرَغْتُ مِنَ الطَّوَافِ) "عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ہم (نبی کریم ﷺ کی ہدایت کے مطابق) چلے یہاں تک کہ میں فارغ

ہو گئی، اور میں طواف سے فارغ ہو گئی"۔ تو اس کے ظاہر سے یہی پتہ چلتا ہے کہ پہلی فراغت سے عمرہ سے فارغ ہونا ہے، اور دوسری فراغت سے طوافِ وداع سے فارغ ہونا ہے، اور شاید اسی بنا پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۂ باب کو استفہام کے لفظ سے لائے ہیں، اور کوئی قطعی حکم نہیں بیان کئے ہیں، واللہ اعلم۔

عمرہ کے مسائل

جو شخص کسی ضرورت سے جدّہ کا سفر کرے اور (پھر) عمرہ کا ارادہ کرے:

جو شخص کسی ضرورت کے لئے جدّہ جائے اور عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو ،تو اس مسئلہ میں تفصیل ہے،اگر اس کے سفر کا ارادہ نسک یعنی عمرہ کی ادائیگی کا ہے اور ضرورت اس کے تابع ہے، تو ایسے شخص پر میقات پہنچنے پر یا مواقیت میں سے کسی ایک کے بالمقابل ہونے پر احرام باندھنا واجب ہو گا جیسے ذوالحلیفہ وغیرہ، مواقیت کے بارے میں نبی ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے:"یہاں سے ان مقامات والے بھی احرام باندھیں اور ان کے علاوہ وہ لوگ بھی جو ان راستوں سے آئیں اور حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں"۔(بخاری:1524،ومسلم:۱۱۸۱ بروایت ابن عباس

رضی اللہ عنہما)اور اس شخص پر یہ (وصف)صادق آتا ہے کہ وہ میقات پر آیا اور عمرہ کا ارادہ رکھتا ہے، اس لئے اسے احرام باندھنا ضروری ہے۔

اوراگراسکے سفر کا ارادہ کسی حاجت کے لئے ہو، اور نسک(عمرہ)اس کے تابع ہو، یعنیاگر میسّر ہوا اوراس کے پاس وقت میں کشادگی ہوئی تو وہ عمرہ کرلے گا، تو ایسے شخص کے لئے میقات سے گذرنے پراحرام باندھنا لازم نہیں ہوگا،بلکہ اسے بغیراحرام کے گذرنا ہوگا، کیونکہ میقات پر گذرتے وقت اس کا حج اور عمرہ کاارادہ نہیں تھا۔

پس جب اس کی ضرورت پوری ہوجائے اور وہ جدّہ میں ہو اور عمرہ کرناچاہے تو وہاں سے احرام باندھے گا،کسی میقات پراس کو جانے کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ جدّہ وہاں کے باشندے کی

میقات ہے، اور اس کی (بھی) جو وہاں حج اور عمرہ کے ارادے کے بغیر تشریف لے جائے، پھر وہیں سے حج یا عمرہ کا ارادہ کرے، لیکن جو وہاں حج یا عمرہ کی نیت سے تشریف لائے تو جدّہ ایسے لوگوں کی میقات نہیں ہے، کیونکہ یہ مواقیت کے اندر داخل ہے، لہذا جو شخص وہاں سے احرام باندھے گا وہ میقات سے تجاوز کرنے والا ہو گا، واللہ اعلم۔

جو شخص عمرہ میں حلق کروانے سے پہلے لباس پہن لے:

جب محرم شخص طواف اور سعی کرلے پھر بھول کر حلق یا تقصیر کرنے سے پہلے اپنے کپڑے کو پہن لے تو یاد آنے پر اپنے لباس کو اتار دے، اور احرام کا کپڑا پہن لے، پھر حلق یا تقصیر کروائے، پھر عام کپڑا پہنے۔ خواہ اسے یہ چیز مکہ میں یاد آئے، یا اس کے

علاوہ (جگہ) میں، کیونکہ حلق یا تقصیر نسک ہے، جس کا حالت احرام میں کرنا ضروری ہے۔

اور اگر اس نے حلق یا تقصیر جہالت یا بھول کر کروالیا اور اس پر کپڑا بھی تھا، تو اس پر کوئی چیز نہیں ہے، اسی طرح جو شخص حلق سے پہلے ممنوعات احرام میں سے کسی چیز کو بھول کر کرڈالے تو اس پر بھی کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: ”اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک یا خطا ہونے پر ہمارا مؤاخذہ نہ کر“ [سورہ بقرہ: 286] اور نبی ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امّت سے خطا، بھول چوک اور اس چیز کو جس پر آدمی مجبور کردیا جائے معاف فرما دیاہے“ (ابن ماجہ: 2045، بیہقی: 7/356 وغیرہما)۔ اور یہ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے،

اور اس کے متعدّد طریق ہیں، اور قرآنی شواہد اس کی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔

عمرہ میں طوافِ وداع کا حکم:

سنت صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طوافِ وداع حج کے مناسک اور اس کے شعائر میں سے ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: ''لوگوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کا آخری کام اللہ کے گھر کا طواف ہونا چاہیے، مگر حیض والی عورت پر تخفیف کر دی گئی ہے''۔

(بخاری: ۱۷۵۵، مسلم: ۱۳۲۸،۳۸۰)۔ اور انہی سے مروی ہے کہ: لوگ جہاں سے چاہتے رخصت ہو جاتے تھے، تو رسول ﷺ نے فرمایا: 'تم میں سے کوئی اس وقت تک نہ کوچ کرے یہاں تک کہ اس کا آخری کام بیت اللہ کا (طواف کرنا)

ہو"(مسلم:۱۳۲۷) اور ایک لفظ میں ہے کہ: لوگ منیٰ سے اپنے اپنے علاقوں کی طرف رخصت ہوجاتے تھے، تو رسول ﷺ نے اس بات کا حکم دیا کہ ان کا آخری عہد (کام) بیت اللہ کے ساتھ ہو، البتہ حائضہ کو اس سے رخصت دی گئی ہے" (اسے حاکم (1/476) نے روایت کیا ہے، اور فرمایا: یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور امام ذہبی نے اس پر ان کی موافقت کی ہے)۔

تو یہ حدیث اپنے الفاظ کے ساتھ صریح دلیل ہے کہ طوافِ وداع حج کے ساتھ خاص ہے، اور اس کی دو وجہیں ہیں:

اولؔ: نبی ﷺ نے اسے حجۃ الوداع کے موقع پر کہا ہے، اور اس کے ذریعہ حاجیوں سے خطاب فرمایاہے، اور آپ ﷺ سے اسے کبھی کسی عمرہ میں کہنا منقول نہیں ہے۔

دوم: مذکورہ اوصاف صرف حج پر منطبق ہوتی ہیں، کیونکہ اگر طواف وداع نہ ہوتا تولوگ منیٰ سے رمی جمرات کے بعد جس طرح چاہتے کوچ کرتے، لہذا انہیں یہ حکم دیا گیا کہ ان کا آخری عہد (کام) بیت اللہ کا (طواف) ہو۔

جہاں تک عمرہ کی بات ہے تو اس میں کوئی طوافِ وداع نہیں ہے، بلکہ علامہ ابن رشد القرطبی نے اپنی کتاب (بدایۃ المجتہد:2/266) میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ: "معتمر شخص پر صرف طوافِ قدوم یعنی طواف عمرہ ہے، اور جمہور نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ طواف وداع حاجی کے علاوہ شخص پر واجب نہیں ہوتا، اور ایسا اس لئے کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امّت کو عمرہ میں طوافِ وداع کرنے کا حکم دیا ہو، اور اس وجہ سے بھی کہ نبی ﷺ نے

چار مرتبہ عمرہ کیا ہے لیکن آپ ﷺ کا ان میں سے کسی ایک میں بھی طوافِ وداع کرنا منقول نہیں ہے، اور نہ ہی آپ ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے کسی کو اس کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اگر ایسا ہوتا تو ہم تک یہ بات اسی طرح منقول ہوتی جس طرح ساری مناسک منقول ہوئیں، اور انہی میں سے حج میں وداعی طواف کرنا ہے۔ (اور عمرہ میں کوئی طواف وداع نہیں)

اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ اوران کی اچھی پیروی کرنے والے (تابعین) نے عمرہ کیا، لیکن ان سے بھی عمرہ کے لئے وداعی طواف کرنا منقول نہیں ہے، اور نہ ہی اس سلسلے میں انہوں نے کوئی گفتگو فرمائی ہے، اور چیزوں میں اصل ذمہ داری سے بری ہونا ہے، لہذا اس سے اسی صورت میں منتقل ہونا درست ہے جب کوئی ایسی صحیح سالم دلیل ہو جو مخالفت سے پاک

ہو۔اسی بنیاد پر عمرہ کے لئے کوئی وداعی (طواف) نہیں ہے، چاہے معتمر شخص مناسک ادا کرنے کے بعد نکلے، یا مکہ میں اقامت کرے اور پھر اس کے بعد وہاں سے نکلے، واللہ اعلم۔

بار بار عمرہ کرنا:

احادیث صحیحہ عمرہ کی فضیلت، اور اسے کثرت سے کرنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں، اور انہی میں سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اوپر گذری ہوئی وہ حدیث ہے جس میں رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے: "ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ دونوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور (مقبول) کا ثواب صرف جنّت ہے"۔(متفق علیہ)۔

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: "حج وعمرہ پے درپے کیا کرو، کیونکہ یہ دونوں فقر

ومحتاجگی اور گناہوں کو اسی طرح مٹادیتے ہیں جیسے (آگ کی)بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کی میل کچیل کو صاف کر دیتی ہے، اور حج مبرور کا ثواب صرف جنّت ہے"۔(احمد: ۱/ ۳۸۷، نسائی: ۵/ ۱۱۵، ترمذی: ۸۱۰) ، اور یہ حدیث حسن ہے، اور اسے ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے، اور اس کے کئی شاہد ہیں۔

لیکن اس بات کو جان لینا چاہئے کہ تکرارِ عمرہ جس میں ثواب ثابت ہوتا ہے، وہ ایسا عمرہ ہے جو مستقل سفر میں میقات سے کیا جائے، جیسا کہ اہل علم نے اس بات کو ثابت کیا ہے، اور انہی میں سے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے (زاد المعاد:(2/ 94-175-176)میں ذکر کیا ہے۔

رہا مسئلہ عمرہ کا احرام باندھنا، پھر پہلے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد دوسرا عمرہ کرنا، تو یہ اس امّت کے سلف کا شیوہ نہیں

ہے، حالانکہ وہ شریعت کے نصوص کے معانی کو ہم سے زیادہ جاننے والے تھے، اور (اس لئے کہ) عمرہ ایک عبادت ہے، جس کے لئے کسی ایسی دلیل کا ہونا ضروری ہے جو اس کے (تکرار کے) استحباب پر دلالت کرے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے (فتاوی:26/145) میں فرماتے ہیں کہ: "طواف کو کثرت سے کرنا اعمال صالحہ میں سے ہے، اور یہ اس عمل سے زیادہ افضل ہے کہ آدمی حرم سے نکل کر باہر جائے اور مکی عمرہ کرے، کیونکہ یہ سابقین اولین مہاجرین وانصار کے اعمال میں سے نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی جانب نبی ﷺ نے اپنی امّت کو ترغیب دلائی ہے، بلکہ سلف نے تو اسے مکروہ جانا ہے"۔

شیخ الاسلامؒ نے:(26/249) یہ بھی فرمایا: "جہاں تک بیت اللہ کا طواف کرنا مکہ میں رہنے والے کیلئے عمرہ سے افضل

ہوناہے،تو رسول ﷺ کی سنت ،آپ ﷺ کے خلفاء کی سنت،اور آثار صحابہ، سلف امّت اور اس کے ائمہ کے بارے میں جانکاری رکھنے والے شخص کے لئے اس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں ہے..."۔

انہوں نے:(26/249)مزید فرمایا:"اور یہ ہم نے ذکر کیا ہے جو طواف کے افضل ہونے پر دلالت کرتا ہے،تو یہ اس بات پر (بھی)دلالت کرتا ہے کہ مکہ سے (بار بار) عمرہ کرنا، اور طواف کو چھوڑ دینا مستحب نہیں ہے، بلکہ مستحب طواف کا کرنا ہے نہ کہ عمرہ کا، بلکہ اس وقت وہاں (بار بار) عمرہ کرنا ایسی بدعت ہے جسے سلف نے نہیں کیا ہے، اور نہ ہی کتاب وسنت میں اس کا حکم دیا گیا ہے، اور نہ ہی اس کے استحباب پر کوئی شرعی دلیل قائم ہے،

اور جو اس طرح ہو تو علماء کی متفقہ رائے کے مطابق مکروہ بدعت میں سے ہے"

اسی بنا پر (ہم کہتے ہیں کہ) بہت سارے لوگ جو رمضان میں یا حج کے بعد یا دیگر اوقات میں (مقامِ) تنعیم سے یا دیگر حِل کی جگہوں سے کثرت سے عمرہ کرتے رہتے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے وہ میقات سے گذر کر عمرہ کر چکے ہوتے ہیں، تو یہ سب غیر مشروع ہے، کیونکہ اس کی دلیل موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ (اس کا بیان) گذر چکا۔ بلکہ دلیلیں اس کے ترک پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اصحاب نے حجۃ الوداع اوراس کے علاوہ دیگر مواقع پر اسے نہیں کیا، سوائے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ۔ جیسا کہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔، ساتھ ہی اس کی وجہ سے مطاف میں ان لوگوں کے لئے

کافی بھیڑ کی جاتی ہے جو لوگ اپنے حج کے مناسک کو مکمل کرنے کے لئے طواف کرتے ہیں۔جیسا کہ حج کے ایام میں ہوتا ہے۔یاجو میقات سے نسک کی احرام باندھ کر طواف کرتے ہیں۔جیسا کہ رمضان یااس کے علاوہ اوقات میں ہوتا ہے۔یاجو نفلی طواف کرتے ہیں۔حالانکہ وہ لوگ ان لوگوں سے افضل ہیں جیسا کہ اس کا بیان گذر چکا۔ اور جہاں تک عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حج کے بعد عمرہ کرنے کی بات ہے تو اس میں عمرہ کے تکرار کی،یا حج سے پہلے عمرہ کرنے والے شخص کے لیے بعد میں (دوبارہ) عمرہ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے،اور یہ دو باتوں کی وجہ سے ہے:

اوّل:عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقامِ تنعیم سے عمرہ کرنا یا تو اس عمرہ کے قضا کے طور پر تھا جو اس کے قائلین کے نزدیک چھوٹا ہوا

تھا، یا تو زیادتی محض اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی تطییب خاطر کے طور پر تھا ان لوگوں کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ: کہ وہ قارنہ تھیں۔

دوم: نبی ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا (مقامِ) ابطح میں انتظار کیا اور آپ ﷺ کے ہمراہ آپ کے صحابہ تھے، اور ان (عائشہؓ) کی وجہ سے وہ لوگ لیٹ ہوگئے، تو اگر عمرہ مشروع ہوتا تو وہ سارے لوگ ثواب کی حرص، اور وقت سے استفادہ کرتے ہوئے (تنعیم) جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ اپنے نبی و پیشوا محمد بن عبد اللہ ﷺ کی اقتدا کریں، اور کثرت سے بیت اللہ کا طواف کریں اور دعائیں مانگیں، یہی (اس کے حق میں) افضل ہے (نہ کہ تنعیم جاکر وہاں سے بار بار عمرہ کرنا)، واللہ اعلم۔